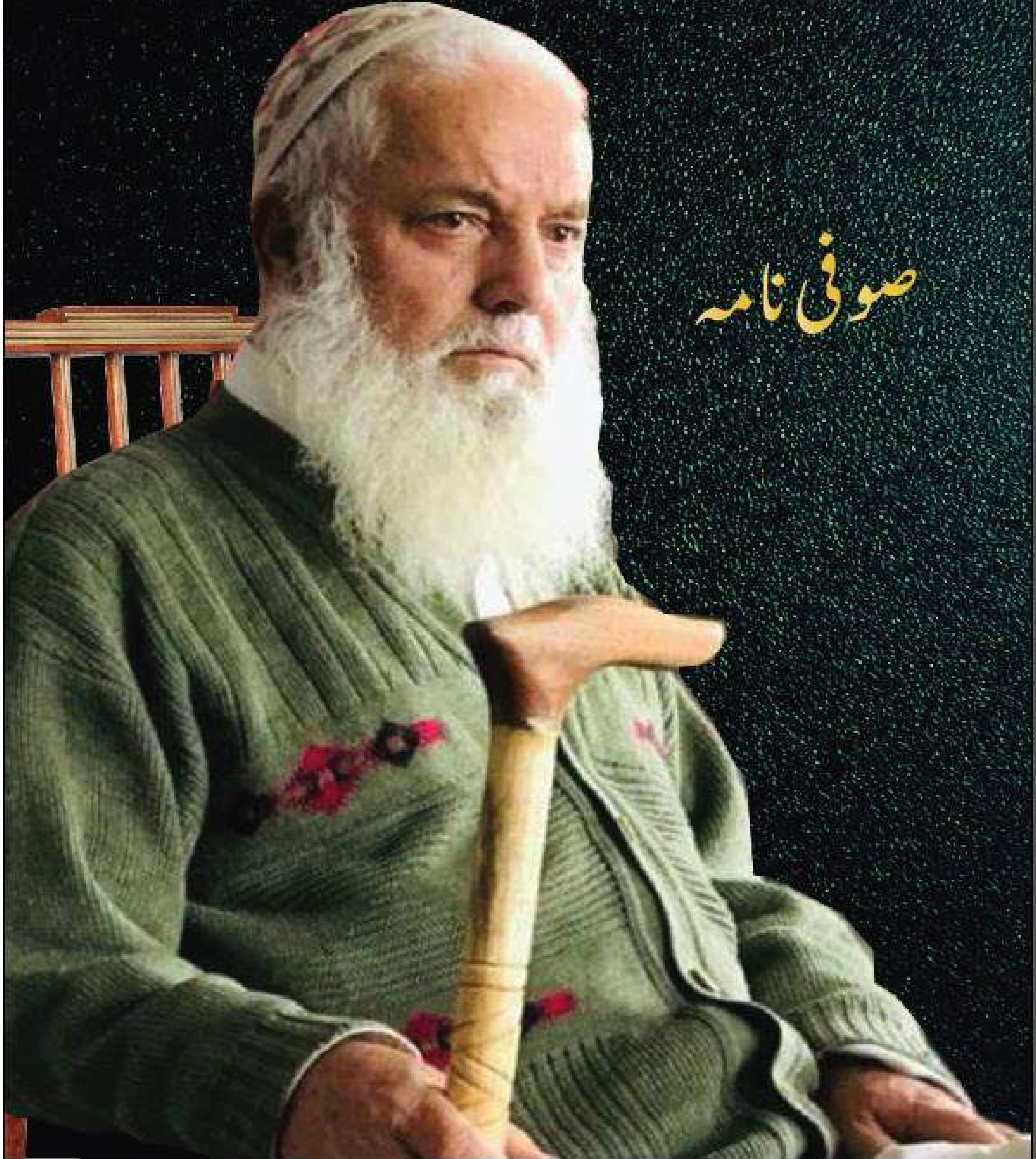
Nawa-e-Sufia
International

نوائے صوفیہ

شمارہ 139 | E-edition انٹرنیشنل | فروری 2021



احیائے تصوف کا علمبردار اور اتحاد بین المسلمین کا نقیب

نوائے صوفیہ انٹرنیشنل ای۔ایڈیشن

بفیضان نظر　　حضرت علامہ بشیر براہ والے قدس سرہ العزیز

الحاج صوفی غلام محمدؒ نامہ

شمارہ: 139　　　　فروری 2021ء

مدیر اعلیٰ	غلام حسن حسنو
چیف کمپوزر	حبیب اللہ کھربوہ کرگل لداخ
کمپوزر	محمد ابراہیم چھوربٹ سکردو
بتعاون	شعبہ نشرواشاعت علماء سپریم کونسل
ناشر	شاہ ہمدان تحقیقاتی ادارہ برائے تصوف
ویب سائیٹ	www.nawaisofia.com
فیس بک	www.fb.com/nawaesofia
ای میل	articles@nawaisofia.com

مضامین موبائل اور ای میل کے علاوہ موبائل ایپلیکیشن اور ویب سائٹ سے اپ لوڈ کر سکتے ہیں۔

الحاج صوفی غلام محمدؒ کے نام

نوردین

سینے میں جس کا تھا دل بیدار چل بسا
چہرہ تھا جس کا مطلع انوار چل بسا

لے کے چلا تھا علم و حکمت کا قافلہ
منزل رکھا کے قافلہ سالار چل بسا

راہ خدا میں وقف رہی جس کی زندگی
اک شخص تھا جو پیکر ایثار چل بسا

جس کا وجود علم و عمل کی مثال تھا
وہ اہل علم و صاحب کردار چل بسا

رہتا تھا بے نیاز، جو نام و نمود سے
جو شخص تھا، خلوص کا معیار چل بسا

قوم و وطن کے غم میں جو رہتا تھا بے قرار
قوم و وطن کے غم میں وہ غمخوار چل بسا

میں نوردین کیا لکھوں، صوفی کی شان میں
صوفی تھا صوفیوں کا وہ گلزار چل بسا

فہرست مضامین

شمارہ خصوصی الحاج صوفی غلام محمدؒ نمبر

اداریہ

الحمدللہ میری ادارت میں نوائے صوفیہ شمارہ نہم نذر قارئین ہو رہاہے۔شمارا اول نوائے صوفیہ مئی شمارہ 131 تھا جسے بوجوہ آن لائین ریلز کیا گیاتب سے اب تک یہ جریدہ مسلسل آن لائین ریلز کیا جارہاہے۔البتہ شمارہ ستمبر بو اجمال نمبر کو نوجوانان براہ نے ایک خاص جذبے کے تحت شائع کیا تھا جسے تقدس مآب ہستیوں اوران کے معتقد حامیوں نے دبا کر تقسیم ہونے نہیں دیا۔

قارئین نوائے صوفیہ کی پذیرائی ہمارے لئے انتہائی حوصلہ افزاء رہاآن لائین نوائے صوفیہ واٹس ایپ اور ٹیلی گرام گروپ تشکیل دی تھی جس میں مطلوبہ تعداد پوری ہونے کے بعد دوسرے گروپ کی تشکیل کا آغاز کر دیاہے۔ یہ جریدہ اب تک ہزاروں لوگوں نے اپنے اپنے موبائل اور لیپ ٹاپ میں ڈاؤن لوڈ کر دیے ہیں اور یہ سلسلہ ابھی زور شور کے ساتھ جاری ہے یوں اس سے استفادہ کرنے والوں کا حلقہ وسیع سے وسیع تر ہوتا جا رہا ہے اس کے لیے ہم اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کا حمد و شکر کرتے ہیں۔

ماہنامہ نوائے صوفیہ کا زیر نظر شمارہ بلتستان کے ایک نابغۂ عصر صوفی غلام محمد کے بارے میں ہے۔جو گذشتہ سال کے آخر میں ہمیں داغ مفارقت دے گئے تھے۔اس میں کوئی دو رائے نہیں ہو سکتا کہ وہ بلتستان اور مسلک نوربخشیہ کے حقیقی معنوں میں محسن تھے بلتستان کے لیے بالعموم اور مسلک نوربخشیہ کے لیے بالخصوص باعث افتخار تھے۔انہوں نے ایک بھرپور اورولولہ انگیز زندگی بسر کی۔ علم وہنر سے نہ صرف خوداوراپنے گھرانے کو آراستہ کر کے بھرپور فائدہ اٹھایابلکہ تنظیم سازی، مساجد کی تعمیر اور مدارس کے قیام کے ذریعے ہزاروں خلق خدا کو بھی فائدہ پہنچایایہ سلسلہ تاقیامت جاری ہے گا۔

مسلکِ نوربخشیہ کی شخصیات اور تنظیموں نے صوفی صاحب کی وفات اور اس سے پیدا ہونے والے خلا کو شدت سے محسوس کیا چنانچہ ان کی وفات کے دن سے چالیسویں تک جگہ جگہ ان کی یاد میں تعزیتی ریفرنس منعقد ہوتی رہیں۔ان کی وفات سے تقریباً دو ہفتے قبل ایک اور محسن نوربخشیہ حاجی شاہین نبی بھی داغ مفارقت دے گئے تھے چنانچہ خپلو، سکردو، اسلام آباد ،لاہور، مظفر آباد اور کراچی میں ان دونوں کے بارے میں مشترکہ تعزیتی ریفرنس منعقد کی گئیں اور دونوں کو بھرپور خراج عقیدت پیش کی گئیں شاید ان میں سب سے بڑی تقریب جامع مسجد صوفیہ نوربخشیہ اسلام آباد میں ہوئی جو شام 7 بجے سے رات 2 تک جاری رہی۔جبکہ صرف صوفی صاحب کے بارے میں ساحل کراچی سے سلترو گونماتک تقریباً تمام مواضعات اور مساجد میں دعائے

خیر وفاتحہ خوانی ہوئی۔

صوفی غلام محمد صاحب اور حاجی شاہین نبی دونوں اپنی اپنی حیات میں بھی لوگوں میں بے حد مقبول تھے۔ نوربخشی قوم نے ان دونوں کی قیادت سے بھرپور فائدہ اٹھایا اوران کے قائدانہ مشوروں پر عمل کیا جس سے مسلک کو بے پناہ فائدہ حاصل ہوا تھا چنانچہ جب وہ رحلت کر گئے تو پوری قوم نے نماز جنازہ اور تدفین میں شرکت،لواحقین سے تعزیت،فاتحہ خوانی،نمازِ فدیہ ٔمیت کی ادائیگی کے ذریعے ان مغفرت اوربلندی درجات کے دعاؤں کا بندوبست کیااور تعزیتی ریفرنسوں میں انہیں خراج تحسین پیش کر کے ان کی ملی خدمات کا برملا اعتراف کیا زیر نظر شمارہ بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے۔

پچھلے شمارے میں ہم نے لکھا تھا کہ سال 2020 جیسے بھی گزرا،گزر گیا افسوس!اس سال ہم نے ترقی معکوس کی یعنی ہم 2019 کی بہ نسبت 2020 میں ترقی کی بجائے تنزل کا شکار ہوئے ہر میدان میں ہماری اجتماعی کارکردگی انتہائی مایوس کن اور شرمناک رہی۔اس مایوس کن کارکردگی پر ہم اللہ تعالیٰ سے استغفار کرتے ہیں وہی ہماری کوتاہیوں کو بخشنے والے اور مستقبل کو بہتر سے بہتر بنانے والے ہیں۔

2021 ہمارے سامنے ہے اس سال من حیث القوم ہماری اجتماعی کارکردگی ضرور بہتر ہونی چاہیے۔اس کے لیے ہمیں اس قسم کے اقدامات کرنے ہوں گے:

۱۔ہمیں ہر میدان میں ہر صورت آگے بڑھنا ہو گا۔

۲۔اجتماعی کارکردگی کو بہتر سے بہتر بنانا ہو گا۔

۳۔سب سے پہلے ہماری اپنی صفوں میں اتفاق واتحاد کو فروغ دینا ہو گا۔

۴۔محض داتی پسند وناپسند کی بنیاد پر جن جید علمائے کرام کی کردار کشی کی جارہی ہے،اس کا سلسلہ بند کرنا ہو گا۔

۵۔ تمام مرکزی انجمنوں میں من پسند جی حضوری قسم کے لوگوں کی تعیناتی اور نامزدگی کو ختم کرنا ہو گا اہل،کام کرنے والے مخلص لوگوں کو کام کرنے کا موقع دینا ہو گا۔

۶۔آل نوربخشی سطح پر دوچار کنونشن،کانفرنس،سیمینار منعقد کرنے ہوں گے جن میں ملت کو درپیش مسائل کے حل کے لیے کام کرنا ہو گا۔

۷۔مسلکی کاز کے لیے جو آدمی جس میدان میں جو بھی مفید کام کرے اس کی قدر کرنی ہو گی اور اس کی حوصلہ افزائی کرنی ہو گی۔

۸۔ اعتکاف رخلوت نشینی ایک بہترین نفلی عبادت بلکہ عبادتوں کا مجموعہ ہے اس کی حیثیت عام نفل سے زیادہ نہیں اس کو طلسم ہوشربا بنانے سے گریز کرنا ہو گا۔

خدمت خلق بہترین عبادت ہے میر سید علی ہمدانیؒ جن کے پیروکار ہونے پر ہمیں بجا طور پر فخر ہے،نے باقاعدہ تحریک فتوت چلائی تھی اس موضوع پر آپ کی کتاب کتاب الفتوت بھی موجود ہے اسی کو بنیاد بنا کر ہم اس میدان میں کام کر سکتے ہیں۔

علاوہ ازیں آپ اپنے مکتوب بنام سلطان محمد شاہ بن سلطان خان اور رسالہ بہرام شاہیہ جو صلواتیہ اور اسرار صلوۃ سے بھی موسوم ہے ،میں نماز کے اسرار اور حقیقی

معنوں میں نماز کی ادائیگی کا طریقہ لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ تمام عبادات ان دو اصل سے مل جاتے ہیں۔

(۱) التعظیم لامر اللہ (۲) الشفقۃ علی خلق اللہ۔

اول الذکر میں تمام جسمانی عبادات جیسے نماز وروزہ، مالی عبادات جیسے زکوۃ وفطرہ اور جسمانی ومالی دونوں عبادات جیسے حج وجہاد، آتے ہیں جبکہ ثانی الذکر میں ہر قسم کی رفاہی اور فلاحی کام آتے ہیں۔ الحمد للہ ! عبادات الٰہی کے ضمن میں ہمارے لوگ تمام مسلمان فرقوں میں بہترین پوزیشن میں ہیں ہم طرح طرح کی عبادت بجالاتے ہیں چنانچہ ہم گناہ اور اس کے شر سے محفوظ ومامون ہیں جس کا اندازہ آپ اس اخباری رپورٹ سے کرسکتے ہیں۔

ضلع گانچھے میں 6 تھانے ہیں ان 6 تھانوں میں 2020 میں کل 24 مقدمات درج ہوئے ان میں بھی دہشت گردی، اغوابرائے تاوان ،ڈکیتی جیسے سنگین نوعیت کا کوئی واقعہ پیش نہیں آیا۔اوسطاً فی تھانہ 4 کیس اور ہر تین مہینوں میں ایک کیس کا آنا علاقہ جرائم فری ہونے کی نشانی ہے۔

لیکن رفاہی اور فلاحی کاموں میں ہماری کارکردگی ابھی ابتدائی مرحلے میں ہے وہ ہے بلتی ایدی محمد جان کسیرپی خپلو کا فلاحی کام۔ دس بارہ سال سے یہ کام کر رہا ہے شروع میں یہ چند لوگوں کا علاقائی اجتماعی فلاحی کام تھا لیکن اس کی راہ میں طرح طرح کے روڑے اٹکائے جانے اور مقدمے پر مقدمے بنائے جانے کے بعد یہ اجتماعی کام سے انفرادی کام بن کر رہ گیا ہے لیکن آفرین ہے کہ یہ ان تھک محنتی بندہ پیچھے مڑ کر نہیں دیکھ رہا۔ بادوا فاونڈیشن کے پلیٹ فارم سے خدمت خلق میں بھرپور حصہ لے رہا ہے اور اب تک سینکڑوں ذہین، فطین مگر نادار بچوں کو تعلیمی سہولیات دے کر انہیں معاشرے کا کارآمد رکن بنانے میں کامیاب ہو چکا ہے۔

ہمیں ایسے چند پُرخلوص لوگوں کی ضرورت ہے جو کسی قسم کی ستائش کے متمنی ہوں نہ تعریف وتوصیف کے بھوکے۔ نہ لومۃ لائم کے شاکی ہوں اور نہ ہی مخالفت بیجا کے عادی۔ ان پُر خلوص لوگوں کے ذریعے رفاہی اور فلاحی کاموں کا جال بچھانا وقت کی ضرورت ہے۔ ہماری مرکزی اور علاقائی انجمنیں پہلے سے قائم ہیں بعض انجمن ہائے فلاح وبہبود اور اہم جامع مساجد کے فنڈ میں کروڑوں روپے موجود ہیں ان رقومات کو رفاہی اور فلاحی کاموں میں صرف کیا جاسکتا ہے چنانچہ ایک مرکزی فلاحی ادارے کی تشکیل وقت کی ضرورت ہے جس کے تحت:

۱۔ مستحقین کا تعین کیا جائے جن میں بیوہ، یتامی اور دوسرے بے سہارا لوگ شامل ہوں۔

۲۔ گلوبل وارمنگ اور مختلف ملکوں اور علاقوں کے لوگوں کی بکثرت آمد اور ہمارے لوگوں سے اخلاط کی وجہ سے یہاں طرح طرح کی بیماریاں سر اٹھارہی ہیں یوں اب علاج ومعالجہ کے اخراجات عام آدمی کی بساط واستطاعت سے باہر ہو چکا ہے ان کے علاج معالجہ کا بندوبست ہو۔

۳۔ کسی بھی ناگہانی آفت کی صورت حال میں بروقت متاثرین کی بحالی اور متاثرین کے سنبھلنے تک دیکھ بھال کا بندوبست ہو۔

میرے ابو کے عادات و خصائل

محمد یعقوب فرزند صوفی غلام محمد

میرے والد محترم اپنے والدین کے اکلوتے بیٹے تھے۔ میرا دادا کا شمار سرمیک کے صاحبِ ثروت مالدار لوگوں میں ہوتا تھا وہ ایک طرف دکانداری کرتے اور ساتھ ہی زمینداری بھی۔ یوں ان دونوں ذریعوں سے کافی آمدنی حاصل کرتے تھے چنانچہ داداجان کی حیات میں والد صاحب پر کوئی گھریلو ذمہ داری نہیں تھی یہاں تک کہ میرے بڑے بھائی ڈاکٹر نیاز علی کو والد صاحب نے ڈویژنل پبلک سکول فیصل آباد میں داخل کرایا تو دادا جان ہی اپنی حیات تک ان کے اخراجات خود برداشت کرتے رہے اس لیے والد صاحب اپنی پوری تنخواہ مساجد و مدارس کے قیام و تعمیر، غربأکی مالی امداد اور فلاحی کاموں میں خرچ کرتا تھا۔

مالی طور پر مستحکم ہونے کی وجہ سے والد صاحب نے کبھی سرکاری خزانے سے کوئی غیر قانونی منفعت حاصل نہیں کی فرمایا کرتے تھے کہ سرکاری املاک کی حفاظت ہم سب کا فرض ہے سرکار کو ہمیشہ بیت المال سمجھنا چاہیے۔ اہم سرکاری عہدوں پر رہ کر ہمیشہ میرٹ پر بھرتیاں کیں اس سلسلے میں تعلیم یافتہ، غریب ونادار لوگوں کا خاص خیال رکھتے تھے۔

والد محترم بہت ہی دیندار، غریب پرور، مہمان نواز اور علم دوست تھا سکول لائف سے ہی انگریزی اور حساب میں بہت ہی قابل تھا انہوں نے عربی اور فارسی کی ابتدائی تعلیم مہدی آباد کے جید عالم دین شیخ غلام حیدر سے حاصل کی تھی۔ قرآن پاک کی تفاسیر، احادیث کی کتابیں اور بزرگان دین کی کتابوں کا مطالعہ ان کا بہترین مشغلہ تھا۔ مطالعہ کے دوران اردو عربی، اردوفارسی اوراردوانگریزی لغات اپنے ارد گرد رکھتے تھے گھر میں بیڈروم کے ساتھ ایک لائبریری قائم کی ہوئی تھی جس میں ہر طبقۂ فکر کے سکالر کی کتابیں خصوصی طور پر بزرگان صوفیہ نوربخشیہ کی تصانیف رکھی ہوئی ہیں۔ وسیع مطالعہ اور حق پرستی کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی خطیب خطبۂ جمعہ میں، استاد کلاس روم میں اور علمأ درس کے دوران قرآن وحدیث اور بزرگان دین کی تعلیمات کے خلاف کوئی بات کرے تو فوراًٹوک دیتے تھے۔

فلاحی کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے تھے گھر میں اور گاؤں میں طلبہ کو قرآن پاک کی تلاوت، نماز باجماعت اور مروجہ تعلیم میں اعلی نمبر حاصل کرنے کی تلقین فرماتے تھے مردوں کو گھر میں نماز پڑھتے ہوئے نظر آئے تو سخت ناراض ہوتے تھے اور نماز پنجگانہ ہمیشہ مسجد میں اداکرنے کی ہدایت فرماتے تھے دورانِ سروس آپ جہاں کہیں بھی رہے، وہیں مسجد تعمیر کروائی لیکن مسجد سے پہلے طلباہ اور مزدوروں کی رہائش کے لیے کمرے تعمیر

کرواتے تھے تاکہ ان کمروں میں رہ کر مسجد بھی آباد ہو سکے اور طلباء اور مسافروں کے لیے رہائش کا مسئلہ بھی حل ہو۔ میں 13 سال کی عمر میں 1980ء میں سکردو آیا تو والد صاحب ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ میں ایڈمن آفیسر تھا حمید گڑھ میں سرکاری کوارٹر میں رہائش پذیر تھا سرکاری کوارٹر مسافرخانے کا منظر پیش کرتا تھا سکردو، گانچھے اور شگر سے علمائے کرام، طلبا اور ہنر جاننے والے لوگ اپنا سمجھ کر وہیں قیام کرتے تھے۔ علماؑ اور طلباؑ خصوصاً دینی تعلیم پڑھنے والے طلباؑ سے بے حد محبت کرتے تھے مہمان کی آمد پر بہت خوشی کا اظہار کرتے تھے جس دن گھر پر کوئی مہمان نہ آتے تو بے قرار ہوتے تھے اور مسجد سے کسی بھی نمازی کو ساتھ لے کر آتے تھے۔

آپ نماز پنجگانہ مسجد میں باجماعت ادا کرتے تھے۔ اپنی سرکاری ڈیوٹی کے بعد انجمن اور فلاحی کاموں کے لیے خصوصی وقت نکالتے تھے جس وقت انجمن کا دفتر کشوباغ سنٹر میں ہوتا تھا مسجد کے احاطے میں الگ کمرے میں سکول اور کالج کے لڑکوں کو فری ٹیوشن پڑھاتے تھے اس مقصد کے لیے پی۔ڈبلیو۔ڈی کے انجنئیر اور دوسرے افسران سے بھی خدمات حاصل کرتے تھے دینی کاموں کے لیے وقت دینے میں سرکاری نوکری کو کبھی مجبوری نہیں سمجھتے تھے۔

ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ میں ایڈمن افسر کی تعیناتی سے پہلے خزانہ افسر سکردو، تحصیلدار خپلو، اسسٹنٹ ڈائریکٹر محکمہ خوراک گلگت اور سپرنٹنڈنٹ ایجوکیشن گلگت/دیامر کے طور پر خدمات انجام دے چکے تھے جن ایام میں والد صاحب تحصیلدار اور خزانہ افسر تھے ان ایام میں انتظامی افسر کو مجسٹریٹ درجہ اول کی حیثیت حاصل تھی اور دیوانی مقدمات کی سماعت کرتے تھے کہاجاتا تھا کہ والد صاحب کے کیے ہوئے فیصلے کسی اعلی عدالت سے منسوخ نہیں ہوئے۔ انہوں نے قانون کی کتابوں کا اتنا مطالعہ کیا ہوا تھا کہ لوگ ان کی زندگی کے آخری ایام تک ان سے قانونی مشاورت کے لیے مفت خدمات حاصل کرتے تھے۔ کسی بھی سرکاری ملازم پر خواہ وہ جس طبقہ سے یا گروہ یا فرقہ سے ہو، زیادتی برداشت نہیں کرتا تھا۔ ملازم کے کہنے پر آپ خود درخواست لکھتا تھا ساتھ ہی رہبری کے لیے متعلقہ دفتر تک خود ساتھ جاتا تھا۔

قومی و مذہبی معاملات میں جھگڑا فساد کی صورت میں صلح کے لیے بیتاب ہو جاتا تھا اور معاملات کو سلجھانے تک بے چین رہتا تھا انتہا پسندی کے خلاف تھے خواہ وہ مذہبی ہو یا علاقائی اس طرح آپ ایک بہترین ثالث کے طور پر پورے خطے میں پہچاناجاتا تھا۔ ریاضت اور عبادت کا حامی تھا البتہ نمود و نمائش اور ریاکاری اور تفرقہ بازی کے سخت خلاف تھا زندگی کے آخری ایام تک دل میں یہ ارمان تھا کہ کاش ہم نوربخشی رسم ورواج کے بجائے بزرگان دین کی کتابوں کے مطابق زندگی گزاریں تو کیا ہی اچھا ہوتا! پرانے دور میں علامہ محمد بشیرؒ سے بہت زیادہ متاثر تھا ان کو صوفیہ نوربخشیہ کے لیے رحمت سمجھتا تھا فرمایا کرتے تھے کہ میر سید محمد نوربخشؒ کے بعد اس مسلک پر اگر کسی کا احسان ہے تو وہ علامہ محمد بشیرؒ کا ہے۔ دور حاضر میں مفتی علی محمد ہادی صاحب،

باقی صفحہ نمبر 10 پر

میرے ابو میری جان

محمد اقبال فرزند صوفی غلام محمدؒ

ہمارے ابا جان نہایت ہی سادہ انسان تھے، گھر میں ہمیشہ مہمان کے انتظار میں رہتے، وہ ہمیشہ یہی کہتے کہ مہمان جب گھر آتے ہیں تو برکتیں ساتھ لے کر آتے ہیں۔ مہمان خدا کی رحمت ہوتی ہے اور جب بھی دس مہمان کا کھانا بنواتے تو 20 ساتھ لے آتے مگر خدا کی رحمت دس کا کھانا بیس کھا کر بھی بچ جاتا۔ ان کی عادت تھی کہ جب بھی مہمان گھر پہنچ جاتے تو فٹافٹ مزید ار چائے بنوانے کا حکم دیتے اور مہمان کو چائے سے خاطر مدارات کا آغاز کرتے اور جب تک کھانا تیار ہوتا وہ اپنا من پسند موضوع دین اسلام کے احکامات اور بلتستان میں اسلام کی آمد اور ترویج پر گفتگو شروع کرتے۔ اس معاملے میں میرے والد بزرگوار کو دنیاجہاں کی معلومات تھیں اور دنیاجہاں کی کتابوں کی ریفرنس پیش کرتے۔

والد صاحب کی یہ عادت بھی حیران کن تھی وہ معذوروں اور چھوٹے بچوں سے بے حد پیار کرتے چاہے یہ بچے گھر کے ہوں یا باہر کے۔ شہر کے کئی معذوروں کو میرے بابا کی شفقت کا علم تھا لہذا وہ معذور لوگ خود جمعرات جمعہ کے دن کسی طرح ہمارے گھر تک آجاتے اور بابا ان میں گھل مل جاتے۔ ہمیں سختی سے حکم دیق ہوا تھا کہ میری غیر موجودگی میں معذور افراد گھر آئیں تو ان کی خدمات میں کوئی کسر باقی نہیں رہنی چاہیے۔ ان کے احکامات میں سے کئی احکامات یاد رکھنے کے تھے جیسے ہمیں سو ہزار بار انگریزی کا یہ جملہ دہرایا۔

Eearly to risé Eearly to bed maks a man healty wealthy and wase. یعنی وقت پر سونے اور صبح وقت پر جاگنے سے انسان تمام معاملات زندگی میں کامیاب و کامران ہو سکتا ہے۔ اسی تسلسل میں نماز پنجگانہ با جماعت ادا کرنے کا حکم بھی صادر کرتے۔ یوں تو سب کو مسجد جانے کا کہتے مگر ہمارے محلہ میں مسجد بننے سے قبل پانچ وقت کی نماز باجماعت گھر پر ہی میں ادا کرتے رہے اس کے لیے کئی اماموں کو گھر ہی میں ٹھہرائے۔

صبح کی نماز کے بعد خود بھی بلا ناغہ قرآن پاک کی تلاوت کرتے اور ہم سارے بھائی بہنوں کو بھی تلاوت کرنے کی ہدایت کرتے۔ تلاوت کے دوران ان کی خواہش ہوتی کہ قرآن باترجمہ پڑھیں اور ہم اپنے بابا کی ہدایت کے مطابق باترجمہ تلاطت کرنے کی بھی کوشش کرتے۔

میرے والد صاحب نے کبھی کسی قسم کا کاروبار تو نہیں کیا تاہم ان کی ریٹائرمنٹ کے بعد ہمارے بڑے بھائی کی رہنمائی میں ہم نے جب کاروبار شروع کیا تو اکثر کہا کرتے کہ جائز منافع کھاو زیادہ کمانا جائز نہیں۔ اکثر یہ بھی کہا کرتے کہ گاہک جتنی دوائی خریدے اتنا بل بناؤ کوئی گاہک بنا دوائی

خریدے بل بک سے خالی بل مانگے تو خبردار بالکل نہیں دینا۔ جبکہ زکواۃ کے معاملے میں وہ تھانیدار بن جاتے اور خبردار کرتے کہ آمدنی کی زکواۃ نکالے بغیر کھانا بھی جائز نہیں۔ زکواۃ کے معاملے میں میری ایک یتیم بھانجی جس کے اکاؤنٹ میں اپنے مرحوم باپ کے کچھ پیسے تھے اس سے بھی زکواۃ کا حساب برابر کرنے کی ہدایت کی۔ ہمارے گھر کی زکواۃ لوکل مصارف کے بعد سکردو میں مدرسہ شاہ ہمدان، سرمیک میں مدرسہ یلجک، دارالعلوم ستر ونپی خپلو اور مدرسہ شاہ مردان ہورچس شگر میں تقسیم کرنے کی ہدایت کرتے۔

والد صاحب کی ایک عادت یہ بھی تھی کہ جب بھی دستر خوان پر کھانا کھایا جاتا تو اپنی پلیٹ میں کھانا بچنے نہ دیتے ساتھ ہمیں بھی تلقین کرتے کہ خبردار پلیٹ میں کھانا نہیں بچانا لہذا ہم جب تک پلیٹ صاف نہ کرتے انہیں سکون نہ ملتا ۔ اسی طرح پانی کے استعمال میں بھی نہایت قناعت سے کام لیتے ۔ آپ کو بارہا ایسا دیکھا گیا کہ سر راہ چلتے ہوئے بازار کی کھلی ہوئی ٹونٹی بھی بند کرتے جاتے اور گھر میں مجال ہے کہ ٹونٹی کھول رکھے یا بالٹین بھر کر پانی ضائع ہوں ۔ ہم یوں ہراساں رہتے کہ باباکے مزاج کے خلاف کوئی کام تو نہیں ہو رہا۔ بجلی کے معاملے میں بھی ان کا یہی حال ہوتا۔

جیسا کہ پہلے کہا گیا کہ نماز کے مکمل پابندی تھے مگر ظہر اور عصر کے لیے آپ طفیل کالونی گھر سے واک کرتے ہوئے کشوباغ مسجد عارفین جایا کرتے تھے جب نیا بازار میں مسجد تعمیر ہوئی تو کبھی کشوباغ اور کبھی بازار والی مسجد تک واک کرتے باجماعت نماز ادا کر کے تمام نمازیوں کا حال احوال خیر خیریت دریافت کر کے واپس آتے۔ عمر کے آخری وقت میں جب آپ بیمار ہو کر ڈی ایچ کیو سکردو میں داخل ہو گیے تو وہاں سے بھی بیماری کے عالم میں اُٹھ اُٹھ کر خانقاہ معلی کرسمہ تھنگ جایا کرتے اور باجماعت نماز ادا کرکے لوٹتے ۔ طفیل کالونی میں اجتماعی فلاحی کاموں میں نہ صرف رہنمائی کرتے بلکہ کبھی کبھی گینتی بیلچہ اٹھا کر خود کام کرنے لگتے جب وہاں مسجد اور قبرستان کے لیے کام ہو رہا تھا۔

ہمارے گھر میں بچوں کی تربیت کے سوا اور کسی دوسرے معاملات میں مداخلت کبھی نہیں کرتے تھے۔ ہمارے کاروبار سے ان کا کوئی تعلق ہی نہیں تھا انہیں اپنے پنشن کے پیسے سے غرض تھی جو ایک کرنٹ اکاؤنٹ میں ہوتے اور وہیں سے نکال نکال کے اپنے انداز میں خرچ کرتے جس کی ہمیں خبر تک نہیں ہوتی۔ البتہ محلے میں ناظرہ قرآن کے اہتمام کے لیے زور دیتے رہتے۔

کپڑے ضرورت سے زیادہ کبھی نہیں رکھے۔ ہم بھائیوں میں سے کوئی جب بھی نئے سوٹ یا کوٹ یا جوتے خرید لاتے تو اگلے دن اپنی مرضی سے مختلف لوگوں کو دے دیتے اور کہتے یہ زرق برق لباس مال اسراف ہے وہ اپنے پرانے کپڑوں میں بازار کو نکلتے۔

آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ آپ اپنا سارا کام خود کیا کرتے کبھی کسی پر معمولی بوجھ نہیں بنے۔ وہ اپنی دوائی بلکہ انجکشن تک خود کرتے ۔ ایک اچھی عادت یہ بھی تھی کہ بیمار کی عیادت کے لیے محلے ، گاؤں اور ہسپتال تک جایا کرتے۔ جمعہ کے روز ہسپتال کے وارڈ میں ضرور جاتے اور

بیماروں کی تیمارداری کرتے۔ لوگوں کی خدمت کو وہ عبادت جانتے۔ لوگ عموماً مختلف مسائل کی رہنمائی کے لیے آتے تو ان کو قانونی مفید مشورے دے دیتے۔ آپ جب بیمار ہو گئے اس وقت بھی سائل کو مشورہ دینے میں کوتاہی نہیں کی۔

نوربخشی قابل اور ذہین طلبہ کا خصوصی خیال رکھتے اور ضرورت مندوں کا بھرپور خیال رکھتے۔ آپ اپنے پنشن کے پیسے ایسے ہی نونہالوں پر خرچ کرتے اور ریاء سے بچنے کے لیے ہمیں خبر تک ہونے نہ دیتے۔ آپ جب سے سردیاں گزارنے راولپنڈی آنے لگے تو پہلے جمعہ کو حضرت علامہ مرحوم ومغفور کی حیات میں ان کی خدمت میں حاضر ہوتے، ان سے ملتے اور گھنٹوں وہیں بیٹھے رہتے اور مولانا مراد نوری سے بھی ملنے ضرور جایا کرتے جب کہ نوربخشی دنیا کے نامور سکالرز جناب غلام حسن حسنو، مولانا مفتی علی محمد ہادی، مولانا محسن ساقی، احسان علی دانش اور یعقوب براہوی سے جب ملتے تو گویا ان کی عید ہو جاتی اور گھنٹوں گفتگو کرتے۔ ایسے میں چائے کھانے کے کئی دور چلتے باتیں ختم نہ ہوتیں۔

ان کا حافظہ کمال کا تھا۔ انہیں تمام اسلامی علوم و تاریخ کے علاوہ بلتستان کے اپنے رشتہ داروں، قرابت داروں اور محلے داروں کا سارا شجرہ حسب و نسب یاد تھا کوئی اگر سلسلہ چھیڑ دے تو آپ خاندان کے منبع و مرجع تک کھول کھول کے بیان کرتے۔

کوئی اگر اسلام اور تاریخ نوربخشیہ سے متعلق سوال کرتے تو 1950 سے اب تک کے حالات و واقعات ایسے بیان کرتے جیسے کل پرسوں کے گزرے واقعات ہوں۔ یوں تو ان کے لیے ہم سارے بہن بھائی سیکساں تھے مگر جب سے میری سب سے چھوٹی بہن کے میاں کا انتقال ہوا تو انہیں بڑا صدمہ پہنچا مگر اس سے بڑا صدمہ اس وقت پہنچا جب آپ کا نواسہ اور اسی بہن کا اکلوتا بیٹا بھی راولپنڈی کے اے ایف آئی سی میں مہلک مرض سے انتقال کر گیا۔ یہ نواسہ ان کا ساتھی تھا اور دن بھر اسی کے ساتھ بات چیت کرتے رہتے۔ ابو کی ساری خوشی اسی نواسے سے جڑی ہوئی تھی مگر جب انتقال کر گیا تو گویا ابو اندر سے ٹوٹ گیا جو ان کی بیماری کا سبب بنا اور اسی بیماری نے ان کی جان لے لی۔ ان کے قریبی ساتھیوں میں حاجی محمد صادق صدیقی صدر انجمن صوفیہ نوربخشیہ سکردو، غلام علی حیدری، ابراہیم تھلوی، غلام حسین چھوربٹی سابق کنٹرولر ریڈیو پاکستان، صوبیدار ابراہیم بلغاری، حاجی حامد کمال، حسین سرموی، اعجاز بٹ، سید اکبر شاہ، ڈاکٹر ذاکر حسین ذاکر، ڈاکٹر غازی نعیم، احسان علی دانش، حاجی موسیٰ علی حسرت چھوربٹ، الطاف تھلوی، بابو اسحاق غورسے، بابو نجف چھوربٹی، بابو سلیم، آری رستم علی آشفتہ، مولانا شکور علی انو، مولانا عارف حسین، شیخ عبداللہ پرنسپل مدرسہ شاہ ہمدان، مولانا علی موسیٰ تھلوی، مولانا داود، ایڈوکیٹ شیر علی تھلوی، ایڈوکیٹ نذیر، ایڈوکیٹ علی خان، ایڈوکیٹ عبد الرحیم، حاجی ابراہیم سرمیکی، علی محمد سرمیکی اور حاجی محمد سرمیکی شامل ہیں۔ ان کے علاوہ بھی صاحب علم و عرفان، طلبا، اور اساتذہ کرام سے محبت کرتے تھے اور ہر کسی سے پیار و محبت سے ملتے تھے۔

بقیہ صفحہ نمبر38پر

ہمارے دادا جان

محمد مصطفی عارف

میرے دادا جان انتہائی سیدھا سادہ اور نیک انسان تھے وہ ہر کسی کے ساتھ نیک سلوک کرتے تھے اور ہر مظلوم کے حق میں آواز بلند کرتے اور ہر فورم پر ظلم کے خلاف بر سرِ پیکار رہتے تھے۔ آپ مظلوم کو انصاف دلانے کے لیے کورٹ کچہری تک جانے سے گریز نہیں کرتے تھے اور مظلوم کو انصاف دلا کر دم لیتے تھے۔

آپ نے اپنی زندگی کا زیادہ حصہ دینی ،فلاحی، اور سماجی کاموں کے لیے صرف کر دیا۔ آپ نہ صرف صوفیہ نوربخشیہ کے لیے باعث فخر تھے بلکہ آپ پورے بلتستان کے لیے باعث افتخار تھے ۔بلتستان کے لوگوں کو بیدار کرنے اور تشخص کی راہ پر لاڈالنے کے سلسلے میں آپ کے کردار کو نہایت اہم سمجھا جاتا ہے۔اس کا اندازہ آپ کی نماز جنازہ سے لگایا جاسکتا ہے جس میں نہ صرف صوفیہ نوربخشیہ سے تعلق رکھنے والوں نے شرکت کی بلکہ ہر مسلک اور ہر طبقہ سے تعلق رکھنے والے سیاسی ، سماجی،اور مذہبی لوگوں نے شرکت کی۔

آپ انجمن صوفیہ نوربخشیہ سکردو کے بانیوں میں سے تھے اور صوفیہ نوربخشیہ اس اس سے متعلق اداروں کی تشکیل، تعمیر اور ترقی میں آپ کا بہت اہم کردار رہا۔ جب بھی کسی خانقاہ یا مسجد یا مدرسہ بن رہا ہوتا تو آپ اپنی وسعت سے بڑھ کر قولی، فعلی یا مالی مدد کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی تلقین کرتے تھے۔

آپ حقوق اللہ اور حقوق العباد ودنوں کا خیال رکھتے تھے۔ آپ صوم وصلوۃ کے پابند تھے آپ دوسروں کو ان کی ذہنیت اور صلاحیت کے مطابق نصیحت اور صوم وصلوۃ کی پابندی کی تلقین کرتے تھے۔ آپ سائل ،فقرا،وغیرہ کی بھرپور مالی مدد کرتے تھے اور آپ نے بلتستان کے کئی کئی غریب بچوں کو نور تعلیم سے منو کیا اور ان میں سے جو ذہین وفطین ہوان کی ہر فورم پر حوصلہ افزائی کرتے تھے۔

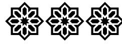
میرے دادا جان جب بھی راستے سے گزرتے ہوئے اذان کی آواز سنتے یا نماز کا وقت ہو جاتا تو نماز ادا کرنے مسجد جاتے۔ اگر وہاں دوسرے مسلک کی مسجد ہو تو وہاں جاکر نماز باجماعت ادا کرتے تھے اور ہمیشہ فرقہ واریت کے خلاف آواز اٹھاتے تھے اور جب بھی نماز کا وقت ہو جائے تو اپنی مصروفیات چھوڑ کر نماز کے لیے چلے جاتے اور ان پانچ وقت کی نماز کے ساتھ بہت سے نوافل بھی پڑھتے۔ آپ ہمیشہ تہجد پڑھتے اور ہر وقت اللہ تعالیٰ کی ذکر وعبادت میں مصروف رہا کرتے تھے ہمیشہ باوضو رہتے اور قرآن مجید کی تلاوت کرتے رہتے تھے۔

جب بھی کسی کو کوئی اسلامی سوال یا مسئلہ مسائل

در پیش ہوتے تو پہلے وہ لوگ اپنا مسئلہ آپ کے پاس لاتے اور آپ انہیں پورے ثبوت کے ساتھ قرآن وحدیث کا ریفرنس دیتے تھے۔

اگرچہ آپ کے پڑوس میں کوئی پڑوسی بیمار ہو جائے تو سب سے پہلے آپ اس کی عیادت کو جاتے اور اگر آپ کے گھر میں جب بھی کوئی چیز باہر سے آتی تو آپ سب سے پہلے اپنے پڑوسی جو چاروں اطراف میں ہوتے انہیں بھیجتے اور اس کے بعد رشتہ داروں اور پھر اپنے گھر والوں کے لیے حصہ نکالتے تھے اور ہمیشہ رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کرنے کو کہتے تھے اور کبھی بھی کھانے کے وقت کسی بھی قسم کی بھی فرمائش نہیں کرتے تھے جو بھی کھانا سامنے رکھتے بسم اللہ پڑھ کر کھاتے اور ختم ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ کا لاکھ لاکھ شکر ادا کرتے اور جب بھی کوئی کپڑے وغیرہ کا تحفہ لے کر آتے تو آپ اسے کسی غریب کو دے دیتے اور ہر وقت فضول خرچی کرنے سے منع کرتے رہتے۔ تین چار کپڑے اپنے استعمال کے لیے رکھتے اگر کوئی پھٹ جائے تو نیا لانے کے بجائے رفوگری کیا کرتے اور اسے اپنے استعمال کے لیے رکھ لیتے اور نیا لباس کسی غریب کو دے دیتے تھے۔ ملنے کے لیے کوئی عزیز یار آتے تو آپ خوشی خوشی اپنے ساتھ گھر لے آتے اور اگر آپ کے ہاں کوئی مہمان تشریف لاتے تو آپ بہت خوش ہوتے اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کرتے آپ گھر آتے مہمانوں کو کبھی نان ونفقہ دیے بغیر واپس نہیں بھیجتے تھے اور جب بھی ہم مہمانوں سے کھانے پینے کا پوچھتے آپ سختی سے منع کرتے اور کہتے کہ مہمانوں سے پوچھا نہیں جاتا بلکہ مہمانوں کے لیے ہمارے پیارے نبی ﷺ کی طرح بغیر پوچھے کھانا دے دیا کریں اور فرماتے کہ مہمان اپنا رزق خود ساتھ لے آتا ہے۔

اپنے بیٹے بیٹیوں سے ہمیشہ اتفاق واتحاد کی بات کیا کرتے تھے کہ آپس میں پیار ومحبت کے ساتھ ایک دوسرے کے ساتھ رہنا اور فرماتے کہ زندگی میں جب بھی موقع ملتے خانقاہ اور مسجد کی تعمیر میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے اور اللہ کی راہ میں خرچ کرتے وقت دل کھول کر خرچ کرتے تھے اور جب آپ اے ایف آئی سی راولپنڈی میں داخل تھے تو آپ ہمیں اپنی آخری ایام کے دوران ہمیں یہی نصیحت کی۔



بقیہ: میرے ابو کے عادات وخصائل

غلام حسن حسنو صاحب اور مولانا محسن علی ساقی صاحب کو آئیڈیل سمجھتے تھے۔ فرمایا کرتے تھے کہ علی محمد ہادی صاحب صوفیہ نوربخشیہ کا چہرہ ،غلام حسن حسنو صاحب صوفیہ نوربخشیہ کا قلم اور مولانا محسن علی ساقی صاحب صوفیہ نوربخشیہ کی زبان ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو والد محترم کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے اور والد محترم کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے آمین۔



انسان ساز ہستی الحاج صوفی غلام محمدؒ

علامہ مفتی علی محمد ہادیؒ

انسان اس عالم آب و گل میں ایک مسافر کی مانند ہے۔ حیات مستعار کے انفاس اس کا کل متاع زندگی ہے۔ اس کا یہ سفر روز الست سے لے کر روز آخرت تک مختلف منازل اور مراحل سے ہو کر گزرتا ہے۔ کبھی انسان اپنے سفر کے دوران میں اپنے صلب پدر سے، کبھی رحم مادر سے بھی سابقہ پڑتا ہے۔

فرمان رسالت مآب ﷺ:

اَلْاَرْوَاحُ جُنُوْدٌ مُّجَنَّدَۃٌ فَمَا تَعَارَفَ مِنْھَا اِءْتَلَفَ وَمَا تَنَاکَرَ مِنْھَا اِخْتَلَفَ

ارواح اکھٹا کیا ہوا لشکر ہے۔ ازل میں جن ارواح کے درمیان تعارف ہوا وہ دنیا میں آنے کے بعد ایک دوسرے سے مالوف ومانوس ہوتی ہے اور وہاں جن کے مابین انجانی رہی دنیا میں آنے کے بعد باہمی اختلافات کا شکار ہوتی ہیں۔ الغرض روز الست کا تعارف دنیا میں انس و محبت اور فکری ہم آہنگی کا سبب بنتا ہے۔ ان میں مقصد حیات کے حوالہ سے یک جہتی پائی جاتی ہے۔ ایسا ہی میرا حضرت صوفی غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ سے واسطہ پڑا ہے۔ جب میری عمر ۱۶/۱۷ برس کی تھی ۱۹۸۱ء میں میری پہلی ملاقات مرحوم و مغفور سے سکردو میں ہوئی۔ ان کی مقناطیسی طبیعت میں ازلی تعارف کی خوشبو سونگھی۔ ان کے مزاج میں اکسیر کی سی خاصیت تھی جو مسِ خام کو کندن بناتا ہے۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ زندگی کے طوفان میں تھپیڑے کھانے والوں کو تیراکی سکھاتے تھے۔ ۱۹۸۱ء کی سکردو میں ایک ہفتے کی صحبت نے آپؒ کو میری فکر و عمل، تحریک اور روش کا مشعل بردار بنا دیا اور یہی آپؒ کے ساتھ میری چالیس سالہ رفاقت کی بنیاد بنی۔ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے بہت سی انسان ساز ہستیاں میری بزم ہستی میں شامل ہیں لیکن صوفی غام محمد کا اور ہی انداز ہے۔ گویا کہ:

گلستان میں جا کے ہر ایک گل کو دیکھا
نہ تیری سی رنگت نہ تیری سی بو ہے

حضرت صوفی غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ ایک جامع الکمالات شخصیت تھے۔ آپؒ ہمیشہ اچھے اور باکمال انسان کے تین درجے بتاتے تھے:۔

(۱) مسلمان (۲) مؤمن (۳) صوفی

مسلمان کی تعریف کرتے ہوئے ہمیشہ حضور اکرم ﷺ کی حدیث پیش کرتے تھے:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَیَدِهٖ

یعنی مسلمان وہ ہے جس کے ہاتھ اور زبان سے دوسرے مسلمان محفوظ ہوں اور مؤمن حسب ارشاد نبوی ﷺ وہ ہے:

اَلْمُؤْمِنُ مِنْ اَمِنَہُ النَّاسُ بِوَاءِقَہُ یعنی مومن وہ ہے جس کے شر سے دوسرے انسان محفوظ ہوں۔

جبکہ صوفی کی تعریف کرتے ہوئے آپؒ دو عظیم صوفیا کے قول پیش کرتے تھے۔ ایک یہ کہ حضرت میر سیّد محمد نور بخش رحمۃ اللہ علیہ نے الفقۃ الاحوط میں فرمایا ”الشَّفَقَۃُ عَلٰی خَلْقِ اللّٰہِ“ یعنی اللہ کی ساری مخلوق پر ترس کھانا ایک صوفی کی ذمہ داری ہے۔

دوسرا یہ کہ حضرت علی لالا رحمۃ اللہ علیہ جو کہ سلسلہ ذہب کے مشائخ کاملین میں سے ہیں اپنی مناجات میں فرمایا کرتے تھے کہ:

”اے اللہ! مجھے بخش دے، اسے بھی بخش دے جس نے مجھ پر رحم کھایا اور اسے بھی بخش دے جس نے مجھ پر ظلم ڈھایا۔ یعنی اپنے دشمن کے حق میں دعا کرنا ایک صوفی کی وضائف میں شامل ہے۔

آپؒ کی پوری زندگی محبت اور خدمت سے عبارت تھی۔ اس حوالہ سے رنگ و نسل اور مسلک و علاقائیت کے فرق کو روا نہیں رکھتے تھے۔

آپؒ سرکاری عہدوں پر فائز تھے۔ محبت و خدمت کے جذبہ کے تحت ہر علاقہ اور ہر مسلک کے غریب لوگوں کو میرٹ کی بنیاد پر سروس دلانے میں نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ بے سہارا محنتی طلباء کو اپنے ساتھ گھر میں رکھ کر ان کی تعلیم و تربیت کا خود ہی بوجھ اٹھاتے۔ کہیں کسی ذہین طالب علم کے بارے میں سنتے تو کسی صورت ان سے ملاقات کرتے اور ہر لحاظ سے حوصلہ افزائی فرماتے۔

حضرت صوفی غلام محمدؒ میں طلب حق اور للہیّت کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ سرکاری مناصب اور سہولیات کو ذاتی آسائش کے لیے کبھی استعمال نہیں کیا۔ انجمن صوفیہ نوربخشیہ سکردو کی روح رواں تھے۔ لیکن کبھی کوئی عہدہ یا صدارت قبول نہیں کی لیکن انجمن کے اراکین و ممبران آپؒ ہی کو سرپرست اعلیٰ مانتے تھے۔ مصالحت کی مجالس ہوں یا کورٹ کچہری کا محضر، احقاق حق اور ابطال باطل کے لیے اپنی رضاکارانہ خدمات پیش کرتے اور باطل کو دندان شکن دلائل و شواہد سے خاموش کرتے۔

حضرت صوفی غلام محمدؒ نے اپنے اوقات کا ایک وافر حصہ مطالعہ کتب کے لیے وقف کر رکھا۔ کتب تفسیر اور صوفیا کی تصنیفات سے حد درجہ شغف تھا۔ جو کتاب پسند آتی دوسروں کو بھی اس کے مطالعہ کا شوق دلاتے۔ بسا اوقات خود کتاب خرید کر دوسروں کو مطالعہ کے لیے دیے دیتے۔ شب و روز تلاوت قرآن پاک میں محو رہتے۔ مغرب اور عشاء کے درمیان مسجد ہی میں بیٹھ کر تلاوت یا لوگوں کو وعظ و نصیحت کرتے رہتے۔

امام سجاد علیہ السّلام کی مناجات اور دعاؤں کا مجموعہ ”صحیفۂ کاملہ“ آپ کی زندگی کا جزو لاینفک بن چکی تھی حتّٰی کہ زندگی کے آخری لمحات میں بھی ہسپتال میں بستر علالت پر بھی تلاوت قران اور دعائے سجادیہ کے ورد میں مشغول رہے۔ اب ہم یہی دعا کر سکتے ہیں کہ:

خدا رحمت کناد این عاشقان پاک طینت را



سکردو میں نوربخشی نشاۃ ثانیہ کے بانی صوفی غلام محمدؒ

علامہ محمد محسن علی ساقیؒ

پاکستان وادی بلتستان کی حسین قطعہ ٔارضی، اسرار ورموز کے حامل سرمیک گاؤں کے جھومر پر ۱۹۴۷ء میں غلام محمد سج گیا۔ گاؤں ہی کے مقتدر علمی شخصیات سے ابتدائی علم حاصل کی اور مضافات کے علاقوں سے مزید مروجہ دینی اور دنیوی تعلیم کی تحصیل کے بعد سلطانی اور فرقانی علوم کے حصول کے لیے محو سفر ہو کر وارد سکردو ہوئے اور بقولے "فِیْ سَفَرٍ ظَفَرٌ" کے تحت ہجرت باعث برکت بنی اور وہیں تدریسی ارتقاء کے کئی منازل طے کیے اور کامیابی کے متعدد درازوں کی مثال بن کر اُبھرے۔

صوفی منش، درویش صفت، سادہ پوش اور حق گوئی کے اوصاف سے مزین ہونے کے ناطے انسانیت کی خدمات کے بام عروج پر جلوہ گر رہیں۔ سچائی اور حقیقت بیانی میں خوشامدی اور خود ستائی کے غش و زوائد سے مبرا، دوٹوک، صاف من اور ربانی باطن اُن کی سرشت میں شامل تھی۔ خلوت و جلوت میں ایک ہی قال اور رفتار و گفتار میں ایک ہی چال، رنج و غم میں ڈھال اُن کا طرۂ امتیاز رہا ہے۔ ان رہنما اصولوں کے باعث بے شمار لوگ آپ کی رہبری کو اپنے لیے سرمایۂ افتخار خیال کرتے تھے۔ کسی بھی دنیاوی منصب، سیاسی و مذہبی قیادت کی طمع از خود نہ کرنے کے باوجود آپ کی دستگیری سے لبریز ہاتھ بے طریق بیعت نما نظر آتے تھے۔

ہاتھ ہے اللہ کا بندۂ مومن کا ہاتھ
غالب و کار آفریں کار کشا کار ساز

(اقبال)

عالمانہ صحبت، درویشانہ خیالات اور فقیرانہ ماحول اُن کی طبعت پر ہمیشہ غالب رہے اور اپنے اور پرائے سب کے لیے یکساں احترام سے پیش آتے تھے اور کسی بھی معاملہ میں مخالفت و مخاصمت کی فضا پیدا ہوئی تو غصے میں جلالی کیفیت بیدار ہوتی لیکن غصے کو فوری طور پر پی جانے اور قابو میں رکھنے میں آپؒ کی مثال ہمیشہ باقی رہے گی۔

مادیت پرستی کے اس دور میں ہر شخص اپنی انفرادیت کی جدوجہد کرتے نظر آتے ہیں۔ لیکن آپؒ ایک منفرد انسان تھے۔ جنہوں نے کسی بھی دنیوی ظاہری مقام و مرتبے کا دعوی کیا نہ عالم ہونے کا، نہ مرشد کا، نہ پیر کا اور نہ کسی سربراہی کا، لیکن ان کو بے شمار لوگ اپنا مبلغ، رہبر، سرپرست اور رہنما مانتے تھے اور ان کی سرپرستی سے تادم واپسین نوربخشی مسلک کے پیروکار مستفید رہے۔

صوفی غلام محمدؒ ایک ایسے رفیق اور شفیق، مہربان دوست کے طور پر نمایاں تھے اُن سے قریب ہوتے ہوئے اکتاہٹ کی بجائے مزید قربتوں کو تقویت ملتی اور زندگی کے

نئے دریچے کھلتے چلے جاتے۔ خود نمائی، خودستائی اور شہرت پسندی اُن کے قریب نہیں پھٹکتیں۔ جب انہیں محسنین نوربخشیہ میں شمار کرکے اُن کی خدمات عالیہ کی تخصیص و تعریف کی گئیں تو جناب مولانا غلام حسن حسنو صاحب کو راقم کے ذریعے کہلا بھیجا کہ میری کوئی اہم خدمات نہیں جس کی بنا پر مجھے محسنین نوربخشیہ میں شامل کریں ۔ میرا نوربخشیوں پر کون سا احسان ہے؟

ایک زندہ غیر انسان ہونے کے ناطے دینی امور میں کسی قسم کے تامل اور لومۃ لائم کے شکار نہیں تھے۔ ذوق مطالعہ اور شوق کتاب بینی کی بصیرت سے قرآن و سنت کے مطابق زندگی گزارنے اور کسی بھی سفلی یا سطحی عامل و عالم نما افراد کے چکنے چپڑے ماحول سے متاثر نہیں ہوئے۔ احیائے سنت ،ردِّ بدعت اور حقیقی اسلام و مصطفوی نظام کے لیے ہمیشہ کمربستہ رہے۔ فقہی اور شرعی معلومات کو فہم دین کے مطابق دعوت دین کے طور پر ہر کسی کے سامنے پیش کرتے اور دلائل وبراہین کے ذریعے سامع پر گہرے نقوش چھوڑتے۔

حسن مثال اور موقع شناسی کے شہسوار ہو کر ہر معاملہ اور معرکہ کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتے اور اپنے علم و تجربے کے بحر عمیق سے موتیاں چن نکال کر سامعین کے گوش گزار کرتے اور گھنٹوں کی بحث کو منٹوں میں سلجھاتے اور پرستار کے لیے قابل عمل لائحہ عمل پیش کرنے میں کوئی دقیقہ فرد گزاشت نہ کرتے۔ آپ اپنے کام کے دائرۂ کار سے بخوبی آگاہ ہوتے اور مداخلت کے لیے ہرگز قائل نہیں تھے اور کسی کے مدد و تعاون میں قرآن کے اپنا دعویٰ پر کاربند نظر آتے۔

وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَان(القرآن)

نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو اور گناہ اور سرکشی میں ایک دوسرے کی مدد مت کرو۔

مدرسہ شاہ ہمدان کی عمارت ہوں یا شاہ ہمدان کمپلکس کی تعمیر آپ نے ہر کامیابی کے کریڈٹ کو اپنے سر سجانے کے طبعی رجحان سے ماوراء ہو کر جن کی جتنی خدمات اُس کی سجاوٹ اور کریڈٹ اسی کو عطا کرنے کا نمونہ پیش کیا۔

اُن کی زندگی کے ادوار میں مخفی بے شمار کمالات ملیں گے تاہم سکردو میں ۴۰ سے زاید مساجد کے قیام، خانقاہ معلی کرسمہ تھنگ اور گمبہ سکردو تا حسین آباد میں مساجد و مراکز کے لیے اُن کی فکر و منصوبہ بندی اُن کی کرم فرمائی کی اعلیٰ مثالیں ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہر ذیلی اور علاقائی انجمنوں نے اپنی مرکزیت کے لیے جتن کیے لیکن مرکزی انجمن صوفیہ نوربخشیہ کو جو دوام اور عروج رہا وہ آپ کی محنت شاقہ اور سرپرستی کا اعلیٰ مظہر ہے۔ ساحل سمندر سے لے کر سیاچن کے دامن تک سے آئے ہوئے ہر رنگ و نسل و علاقے کے لوگوں کو ایک انجمن کے سایہ تلے جمع کرکے آپ کی سایۂ عاطفت کے اعلیٰ وارفع مثالیں ہیں۔ اور اُن کے رفقائے کار اور منتظمین کے شب و روز کی محنت کا نتیجہ ہے اور اُن کے رضاکارانہ جذبات سے معمور ہونے کی دلیل بھی ہیں آپ کا وصال بھی عام کے دن ہی ہوا۔

غیر جانبدانہ رجحانات اور اُصول پرستانہ ماحول کے علمبر دار ہونے کے ناطے آپ نے کسی بھی مرحلے میں کوئی ادنیٰ بھی نقصان قوم کو نہیں پہنچایا بلکہ آپ نوربخشی افراد کی نشانی بن کر اُبھرے، بے جا ضد و عناد کی بجائے معاملہ فہمی کے لیے فوری ہتھیار ڈالتے، معافی مانگنے میں سبقت لے جاتے اور سیرت نبوی ﷺ پر ہمیشہ کاربند نظر آئے۔

علما و فضلا کو اُن کے حسب حال مقام و مرتبے سے نوازتے اور خاص طور پر نوربخشی عوام کی نظریاتی اختلاف کے حل کے لیے ۲۰۱۲ء میں اُن کی سرپرستی میں انجمن سکردو کی جامع قرارداد خشت اوّل ثابت ہوئے اور مذاکرات و مفاہمت کے مجالس سجنے شروع ہوئے۔ تاوقتیکہ جب خانقاہ معلی خپلو میں ہمارے مابین غیر متوازن فضاء پیدا ہوئی اور خانقاہ معلی تالابندی کی شکار ہوا جو آپ کی ہی پنچایت و سرپرستی اور ثالثی میں ہم خیال و غیر ہم خیال دونوں گروہ نے اتفاق کیا اور عرصے سے چلے ہوئی خلش ختم ہو کر مصالحت ہوئی اور اتحاد نوربخشی کے لیے آپ کا یہ کردار سنگ میل ثابت ہوا۔

درس و تدریس کے شعبہ سے آپ کا براہ راست تعلق تو نہ تھا لیکن جو بھی طالب علم اپنی علمی تشنگی کے لیے آپ سے استفادہ کرتے تو حق اُستادی ادا کرتے اور اپنی بساط علمی کے مطابق ان کی رہنمائی فرماتے اور تجربہ کار اُستاد کے روپ میں طالب علم کے دل میں جاگزین ہو کر اُن کو حوصلہ دیتے بلکہ شہر کے متعدد ہونہار طلبہ کو نقد و اجناس سے بھی نوازتے تھے تاکہ اُن کا علمی تسلسل جاری رہے۔

راقم کی الشہادۃ العالمیۃ فی العلوم العربیۃ والاسلامیۃ میں پہلی پوزیشن سند امتیاز کے حصول پر انہوں نے شاندار الفاظ میں خراج تحسین پیش کرتے ہوئے والد حاجی اخوند محمد دینؒ کی دست شفقت اور تربیت کو داد دی تھی۔

آپ قائدانہ صلاحیت کی وہ پذیرائی یا چرچا اس دور کے بلند پایہ۔۔۔۔اس طور پر نہیں ہوتے چونکہ آپ شہرت اور نمود و نمائش کے سرے سے قائل ہی نہیں تھے۔ لیکن ہر فرد نوربخشی کے دل میں آپ کی قیادت کے اثرات مرتب ہیں اور انمٹ نقوش چھوڑے ہیں۔

آپ کی عادت کریمہ میں یہ بات نمایاں تھی کہ حسب مزاج اور عقل كَلِّمَ النَّاسَ عَلىٰ قَدْرِ عُقُوْلِهِمْ کے تحت اُن کی رہنمائی اور نصیحت تلقین کرنے میں کوتاہی نہیں برتتے تھے۔

بین الاقوامی، ملکی اور علاقائی نوعیت کے مختلف پروگراموں میں آپ شامل ہوتے، شاہ ہمدان انٹرنیشنل کانفرنس اسلام آباد، مری، مانسہرہ اور مظفر آباد میں شریک ہوتے رہے اور ریڈیو پاکستان سکردو سے امیر کبیر سید علی ہمدانی رحمتہ اللہ علیہ اور میر سید محمد نوربخش نوراللہ مرقدہٗ کے ایام کی مناسبت سے اپنا فیچر نشر کرواتے رہے آپ کے دل ربا آواز سے تمام سامعین محظوظ ہوتے تھے۔

اجراء اطلاق میں آپ ارتعاش اور تعاقب کے تکنیک سے بخوبی واقف تھے۔ چنانچہ نماز عصر اوراد عصریہ کے بعد طلبہ شاہ ہمدان سے ۵ منٹ کے مختصر خطاب کا رواج، علماؑ کے تبلیغی ٹیموں کی تشکیل، اُن کے لیے نصاب سازی میں

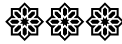
معاونت، تاریخی فتوی از سپریم کونسل علمائے صوفیہ نوربخشیہ کا صدور، ندوۂ اسلامیہ نوربخشیہ کی اشاعتی سرگرمیوں کی حمایت آپ کے احسن خدمات دین کے اعلیٰ نمونے ہیں۔ آپ اخلاقی موضوعات کے بجائے اعتدال پر مبنی بیانات اور خطبات کی تلقین کرتے تھے اور نصیحت کرتے کہ محراب و منبر سے تعظیم لامر اللہ اور شفقت علی خلق اللہ کی خوشبو بکھیرنا چاہیے اور وعظ و تبلغ کے لیے جب اور جہاں موقع ملے امر بالمعروف نہی عن المنکر کا بیڑہ اُٹھانا چاہیے آپ فرماتے کہ نبی کریم ﷺ نے چوپال، مروہ اور صفا کی پہاڑ یوں پر چڑھ کر دعوت دین دیا کرتے تھے ہمیں بھی اُسوۂ رسول اللہ ﷺ پر عمل کرتے ہوئے صوفیائے کرام کی تعلیمات کو فروغ دینے میں کردار ادا کرنے ہوں گے اُن کی اس قابل عمل تجویز کی بدولت مختصر وقت میں نمایاں تبدیلی آئی وہ فرماتے کہ غلام حسن حسنو ہمارا اثاثہ، علی محمد ہادی ہمارا سرمایہ اور محمد محسن علی ہمارا چہرہ ہے جبکہ یعقوب براہوی علامہ ثانی۔

انہوں نے اپنی ملازمت کو داؤ پر لگا کر ملت کی آواز کو ساحل مراد تک پہنچانے میں اپنی زندگی وقف کر رکھی تھی۔ چنانچہ سماجی اور معاشرتی طور پر صوفی غلام محمد علیہ الرحمہ بلتستان میں صوفیہ مذہب کے ارتقا کی نشانی بن گئے۔

میں اکیلا ہی چلا جانب منزل مگر
لوگ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اُن کی صوفیانہ روش اور انتھک محنت کے باعث تدریسی طور پر سکردو میں نہ صرف سکونت ملی بلکہ اُن کو عظمت بھی حاصل ہوئی ہے کئی بار کے طوفان، تند و تیز ہواؤں میں بھی اُن کے پائے استقلال میں اضمحلال پیدا نہیں ہوا بلکہ اُن کی جرات و ہمت میں روز افزوں اضافہ ہوتا رہا۔ اس ایک صوفی کے کارواں میں سینکڑوں لوگ شامل ہوئے اور زندگی کے آخری ایام میں خانقاہ معلی کرسمہ تھنگ کے جھومر پر صوفیہ نوربخشیہ سجا کر یہ مرد حر اللہ کو پیارے ہو گئے اور ہم یہ کہنے میں حق بجانب ہیں کہ آپ استحکام صوفیہ اور نوربخشیوں کے نشاۃ ثانیہ کے لیے مثالی کام کر گئے۔

خدا رحمت کند این عاشقانِ پاک طینت
مت سہل انہیں جانو پھرتا ہے فلک برسوں
پھر خاک کے پردے سے انسان نکلتے ہیں۔



بقیہ: صوفی غلام محمدؒ کی ہمہ جہت شخصیت پر ایک نظر

کی باری آئی تو انہوں نے صاف انکار کر دیا کہ اس منصوبے کے بانیوں میں سے نہیں تھا۔

غرض صوفی صاحب کی شخصیت بہت سی خوبیوں کی حامل تھی تاہم مضمون کی طوالت کے خوف سے انہی چار نکات پر اکتفا چاہتا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ صوفی صاحب مرحوم کے آخرت کے مراحل آسان فرما! انہیں قبر حضور نبی اکرم ﷺ کی معرفت عطا فرما! اور اللہ پاک ان کے قبر کو جنت کا باغیچہ بنادے آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ۔



صوفی غلام محمدؒ کی شخصیت پر ایک نظر

علامہ محمد علی محمدی منہاجین

یہ بات ایک ثابت شدہ حقیقت ہے کہ اس فنا سے ہمکنار ہونے والی دنیامیں ہر نفس نے اپنے اپنے مقررہ وقت پر موت کا ذائقہ چکھنا ہے مگر بعض شخصیات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کی موت کے بعد ان کی حیاتِ مستعار میں ان کے حسن سلوک، حسنِ اخلاق اور پر کشش شخصیت کی بنا پر اپنے لواحقین، اعزہ، اقربا اور دوست احباب کے لیے یاد گاریں چھوڑتی ہیں بلکہ دنیا ان کے بعد ویران سی محسوس ہوتی ہے ان شخصیات میں صوفی غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی ہے۔ آپ نہایت ہی مخلص، دانشور، ہمدرد، روشن خیال اور خیر خواہ انسان تھے آپ اسم با مسمی تھے کلمات ثلاثہ پر مشتمل (صوفی، غلام اور محمد) کا ہر ہر کلمہ آپ کی شخصیت پر پورا پورا صادق آتا تھا۔

آپ کے ساتھ راقم الحروف کی رفاقت وصحبت کم وبیش دو عشروں پر مشتمل رہی۔ استاذ المکرم مفتی علی محمد ہادی صاحب مد ظلہ العالی اور آپ کی وساطت سے چند ماہ مدرسہ شاہ ہمدان میں تدریسی فریضہ سرانجام دیتا رہا اس دوران بھی آپ کی صحبت وسنگت یادگار رہی۔

یوں تو آپ ایک جامع الصفات شخصیت کے مالک تھے تاہم بیس سالہ آپ کی صحبت اور رفاقت کے دوران آپ کو حسب ذیل اوصاف کے حامل پایا۔

ا۔ تعلیم و تعلم کا پیکر: انسانی معاشرے کی ترقی وخوشحالی کی راہ تعلیم(Teaching)اور تعلم (Learning) کی اہمیت وافادیت مسلمہ ہے۔یہی وجہ ہے کہ جب آج سے کم وبیش چودہ سو سال قبل کلی طور پر بگاڑ کا شکار معاشرے کی اصلاح کے لیے وحی الٰہی کی صورت جو نسخہ کیمیا نازل ہوا، وہ تعلیم وتعلم سے متعلق تھا۔ چنانچہ فرمان نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی روشنی میں معلم بنے یا متعلم بنے یا ان دونوں سے محبت کرنے والا۔ چوتھی صورت بے کار قرار دیا گیا ہے۔ صوفی غلام محمد رحمۃ اللہ علیہ کی زندگی مذکورۃ الصدر تینوں صورتوں سے عبارت نظر آتی ہے۔ آپ کو تعلیم وتعلم سے جنون کی حد تک محبت تھی اور اس سلسلے میں تخلیقی کاوشوں کی خوب حوصلہ افزائی فرماتے تھے 1996 کی بات ہے کہ جب راقم مدرسہ شاہ ہمدان تدریسی فرائض سرانجام دیا کرتا تھا ایک دن راقم نے سال اول کے طلبأ روزنامہ اخبار کا خاکہ بلیک بورڈ پر لکھ کر طلبائے مدرسہ شاہ ہمدان کی ہفتہ وار تعلیمی سرگرمیوں، جمعہ کے خطبات، اور دیگر سرگرمیوں پر مشتمل ہفت روزہ ایک مختصر اخبار کی تجویز پیش کی جو روز بلیک بورڈ پر لکھا اور پڑھا جاتا۔ کچھ دنوں کے بعد اس سلسلے کو بہتر محسوس کرتے ہوئے ہفت روزہ صدائے صوفیہ کے نام سے طلبأ نے ایک اخبار تیار کیا اور اس کی قیمت فی کاپی 5 روپے رکھی اور

خانقاہِ معلی صوفیہ نوربخشیہ کرسمہ تھنگ اس کی کاپیاں فروخت کے لیے رکھی گئیں۔ اخبار دیکھتے ہی صوفی صاحب بہت خوش ہوئے اور اس عمل کو جاری رکھنے کا مشورہ دیا اور خانقاہ سے اس کی تقریباً 50 کاپیاں فروخت ہو سکی تھیں اس زمانے میں آپ 5 روپے کی اخبار 50 روپے میں خریدتے تھے اور مستقل خریداروں میں شامل تھے یہ ان کی تعلیم و تعلم سے محبت کا آنکھوں دیکھا واقعہ ہے۔

۲۔ارتقا و تدبر فہم دین: اہل حق کی علامتوں اور نشانیوں میں سے ایک اہم علامت اور نشانی ارتقأ پذیر فہم دین رکھنا ہے۔ یہی وہ ہمیشہ

اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَہٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلاً وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَہٗ۔اَللّٰھُمَّ اَرِنَا الْاَشْیَآءَ کَمَا ھِیَ۔

اے اللہ! ہمیں حق کو حق دکھا دے اور اتباع کی توفیق عطا فرما اور باطل کو باطل دکھا دے اور اجتناب کی توفیق عطا فرما اور ہر چیز کو کماحقہٗ دکھا دے۔اس سلسلے میں صوفی صاحب کو ہمیشہ فہم دین میں ارتقا پذیر دیکھا اپنے اعمال وافعال کا جائزہ لینے والا، حق بات کو تسلیم کرنے والا اور اپنی زندگی میں اپنے اعمال کا حصہ بنانے والا دیکھا۔

۳۔نصیحت و خیر خواہی کا مجسمہ: اسلام نصیحت و خیر خواہی کا دین ہے حضور نبی کریم ﷺ کا فرمان ہے کہ اَلدِّیْنُ نَصِیْحَۃٌ۔ دین نصیحت و خیر خواہی کا نام ہے۔ صوفی صاحب مرحوم کی زندگی نصیحت و خیر خواہی سے عبارت تھی۔ معاشرے کے مختلف طبقات سے تعلق رکھنے والے لوگ پیش آمدہ مشکلات آپ سے (Shere) کرتے تھے آپ انہیں حل کرنے کے لیے انہیں اپنائیت دے کر مشورے دیتے تھے۔ آپ ہر ایک کو اپنی خداداد صلاحیت و بصیرت سے مشورے دیتے تھے۔ چنانچہ آپ کے حلقۂ احباب میں علمأو طلبأ، عوام وسیاستدان، غرض مختلف شعبہ جات سے تعلق رکھنے والے افراد شامل تھے۔7 دسمبر کے دن چشم فلک نے یہ منظر دیکھا کہ آپ کے وصال کی خبر سن کر موسمی تغیرات اور مشکلات کے باوجود بلتستان کے چاروں اضلاع سے لوگوں کا جم غفیر آپ کی آخری دیدار کرنے اور الوداع کہنے کے لیے جمع تھے۔یہ سب آپ کی بہی خواہی کا عملی ثبوت ہے۔

۴۔اخلاص وللّٰہیت: اخلاص وللّٰہیت صوفی صاحب کی زندگی کی نہایت اہم خوبی تھی۔میر سید علی ہمدانی اپنے رسالہ الطالقانیہ میں مخلص کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں کہ: اَلْمُخْلِصُ مَنْ یَّکْتُمُ حَسَنَاتَہٗ کَمَا یَکْتُمُ سَیِّئَاتَہٗ۔ یعنی مخلص وہ شخص ہے جو اچھائیوں کو اسی طرح چھپاتا ہے جیسے کوئی اپنی برائیوں کو چھپاتا ہے۔ صوفی صاحب کے قریبی رفقأ جانتے ہیں کہ آپ اپنی خداداد صلاحیتوں کی بدولت اصلاح وفلاح کے بہت سے کاموں میں حصہ لیتے تھے مگر وہ اپنے کارنامے اپنی زبان سے بیان کرنے سے کتراتے تھے۔ راقم نے خود ایک مجلس میں بہت سی اہم شخصیات کی موجودگی میں ایک شخصیت نے سکردو میں ایک بڑے منصوبے کی بنیاد رکھنے والوں میں اپنے ساتھ صوفی صاحب کو بھی شامل کیا بعد میں جب صوفی صاحب کے گفتگو

باقی صفحہ نمبر 16 پر

صوفی غلام محمدؒ جنہیں میں نے دیکھا

غلام حسن حسنو

بلتستان سے تعلق رکھنے والے چند ایسے لوگ ہیں جو بڑے عہدوں پر فائز ہوئے اورآج وہ گلگت بلتستان کے چوٹی کے دانشور شمار ہوتے ہیں جیسے جناب عبدالکریم بلغاری مرحوم ڈائریکٹر زراعت ،خواجہ مہرداد وڈاکٹر حسن خان اماچہ صوبائی سکریٹری،جی ایم سکندر سکریٹری حکومت پنجاب اورافضل علی شگری آئی جی پولیس،کچھ لوگ ایسے ہیں جو اعلیٰ عہدوں پر فائزتو نہیں ہوئے لیکن علم ،دانش اور معاشرتی بودوباش کے حوالے سے آج گلگت بلتستان کے دانشور شمار ہوتے ہیں جیسے محمد حسن حسرت ، محمد یوسف حسین آبادی، سید محمد عباس کاظمی ،مرحوم کمال الہامی وغیرہ لیکن چند ایسے انمول موتی بھی ہیں جو نہ توکسی بڑے عہدے پر متمکن ہوئے نہ وہ معروف معنوں میں مصنف ومؤلف ہیں نہ پدرم سلطان بود کے تحت کسی ممتاز خاندان کے چشم وچراغ ہیں لیکن پھر بھی ان کا شمار چوٹی کے دانشوروں میں ہوتا ہے میری مراد صوفی غلام محمد سیر میکی ہیں وہ کسی کلیدی اہم عہدے پر فائز تھے نہ انہوں نے کوئی کتب لکھی اورنہ ہی شعر وادب ان کا اوڑھنا بچھونا تھانہ کسی نامی گرامی خانوادے کے چشم وچراغ تھے لیکن گلگت بلتستان کا بچہ بچہ انہیں ایک منجھے ہوئے عظیم دانشور کی حیثیت سے جانتے ہیں۔

صوفی صاحب آج کے معروف معنوں میں زیادہ پڑھے لکھے بھی نہیں تھے محکمہ صحت میں کلرک بھرتی ہوئے تھے چنانچہ وہ بابوصوفی کے نام سے پہچانے جاتے تھے۔وہ بلتستان میں محکمہ صحت کے بانیوں میں سے تھے جب حکومت نے مختلف علاقوں میں سول ہسپتال،بیسک ہیلتھ یونٹ، ڈسپنسریاں اور فرسٹ ایڈ پوسٹ کھولنے کا فیصلہ کیاتو ان میں کام کرنے والے پیرامیڈیکل سٹاف کا عملہ دستیاب نہیں تھا چنانچہ صوفی صاحب نے اپنے ذاتی اثر رسوخ سے مختلف علاقوں کے لوگوں سے رابطہ کیا اور بیروزگار تعلیم یافتہ نوجوانوں کوسکردو میں ڈسپنسنگ کی تربیت دلوائی اور انہیں ترجیحی بنیادوں پر اپنے اپنے قریبی علاقوں میں پیرامیڈیکل سٹاف بھرتی کیا۔یوں صوفی صاحب کے تدبر اور حسن انتظام کے طفیل تعلیمی ترقی میں آگے والے شہروں کی بجائے دیہی علاقوں سے سینکڑوں لوگ ملازمت میں آگئے جس کی وجہ سے ایک جانب لوگوں کوصحت کی بہتر سہولتیں میسر آئیں دوسری طرف متعلقہ علاقے سے تعلق کی وجہ سے لوگوں کو خصوصی ریلف ملااور تیسری جانب شہروں کی بجائے دیہی علاقوں میں روزگار کے مواقع پیدا ہوئے جس کا شاندار دور رس نتیجہ نکلا۔

صوفی صاحب ہمارے والد صاحب کے دوست تھے جن دنوں وہ حمید گڑھ کے ایک سرکاری کوارٹر میں

رہتے ظہر کے سوا باقی چاروں نمازیں پڑھنے خانقاہ کرسمہ تھنگ حاضر ہوتے۔انہوں نے ہی والد صاحب کو DHQ ہسپتال کی نمک پلانٹ میں بھرتی کرایا تھا تاکہ والد صاحب رات کو وہیں چوکیداری کی ملازمت کریں اور ساتھ ہی خانقاہ میں نماز پنجگانہ اور جمعہ بھی پڑھائیں لیکن والد صاحب نے دونوں کام کرنے سے انکار کیا تھا۔جب ہم لاہور میں زیر تعلیم تھے اس وقت صوفی صاحب سے دور کی علیک سلیک تھی جب غالباً1975-76 میں ان کے بیٹے ڈاکٹر نیاز علی اور ڈاکٹر غازی محمد نعیم دونوں ڈویژنل پبلک سکول فیصل آباد میں جماعت نہم دہم میں پڑھ رہے تھے ان دنوں میں دینی تعلیم سے فارغ تھا اور جامع مسجد صوفیہ نوربخشیہ لاہور میں امام جمعہ وجماعت تھا یہ دونوں بچے سردیوں کی شاید 20 دنوں کی چھٹیاں گزارنے میرے پاس لاہور آئے میں انہیں نویں دسویں کی دینیات پڑھاتا تھا 20 دن میرے پاس رہ کر وہ دونوں فیصل آباد واپس چلے گئے غالباً ان دونوں بچوں نے میرے بارے میں اپنے والدین کو کوئی اچھی رپورٹ دی ہوگی تب سے ڈاکٹر نیاز علی کے عظیم والد صوفی صاحب اورڈاکٹر غازی نعیم کے والد گرامی مرحوم ماسٹر حسن گولپہ سے تعلق پیدا ہوئے یہ تعلق رفتہ رفتہ دوستی سے عقیدت مندی میں بدل گیا الحمد للہ اس وقت میں ان دونوں گھرانوں کے فرد کی حیثیت رکھتا ہوں نہ صرف ان دونوں کے گھرانے بلکہ ان کے قریبی خویش واقارب بلکہ ان کے دور کے رشتہ داروں سے بھی میری گہری دوستی ہے بلکہ سب دل کی گہرائیوں سے میرے زبردست عقیدت مند ہیں۔

میں جب بھی سکردو جاتا ان سے ضرور ملاقات کرتا سکردو میں اپنا رہائشی گھر ہونے کے باوجود میں اکثر ان کے گھر پر رہتا طفیل کالونی کے موجودہ گھر کے تہہ خانے میں ہم نوربخشی دنیا جہاں کی باتیں کرتے دس بارہ سال پہلے کئی سال تک موسم سرما میں مدرسہ شاہ ہمدان میں علمائے نوربخشیہ کی سہ روزہ ورکشاپ نما کانفرنس، مختلف علاقوں میں تبلیغی وفود بھیجنے کے منصوبے، مختلف علمائے نوربخشیہ کو ترجمہ کے لیے کتابیں اور دیگر ضروری مواد فراہم کرنے کی پیش بندی ہم نے وہیں کی تھی لیکن افسوس ہمارے علمأ کی سہل انگاری اور ذمہ داری نبھانے میں سستی بلکہ غفلت سے یہ منصوبے پایۂ تکمیل کو نہیں پہنچ سکے پھر یہ سلسلہ جاری نہیں رہ سکا۔اس کے باوجود وہ پر امید تھے کہ علمائے نوربخشیہ ایک نہ ایک دن ضرور اپنی ذمہ داریوں کا احساس کریں گے۔بزرگان صوفیہ نے جو مشن شروع کیے ہیں، ان پر ضرور عمل پیرا ہوں گے۔

صوفی صاحب انتہائی زیرک اور بھلا کے ذہین واقع ہوئے تھے وہ سرمک کی مشہور ذات ''باسکا اس ناکامی کے باوجود وہ مایوس نہیں تھے''سے تعلق رکھتے تھے یہ قوم حاضر جوابی، محنتی اور موقع شناسی کے حوالے سے بلتستان کی منفرد قوم ہے اس قوم کی لغت میں بے کار رہنا اور موقع نکل جانے کے بعد لکیر پیٹنا سرے سے موجود ہی نہیں صوفی صاحب کو گھریلو مجبوریوں اور اس وقت کے ریت کی وجہ سے زیادہ پڑھنے کی بجائے جلدی ملازمت کرنا پڑا تھا لیکن اپنی خداداد ذہانت کی بنا پر سکردو کے سرکاری دفتروں میں ان کی

دھاک بیٹھ گئی تھی۔ تقریباً سارے دفتری بابو اورافسران دفتری انگریزی راردو خطوط کی نوک پلک ان سے درست کراتے تھے گلگت اور اسلام آباد کے مختلف دفتروں میں سرخ فیتے کی وجہ سے رکے ہوئے معاملات کی درخواستیں سائلین آپ سے لکھواتے تھے حتی کہ ہم نے کئی بار خود اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ نامور وکلا بھی اپنے غیر معمولی اہم کیس تیار کرنے میں ان سے مدد لیتے تھے۔

اگرچہ انہوں نے خود کوئی کتاب حتی کہ مضمون تک نہیں لکھا لیکن بہت سے لوگ کتابوں اور مسودات میں ان سے مشورے کرتے تھے اور کتابوں کی ترتیب اور پیش کش میں ان کی رائے شامل کرتے تھے۔ اب تک بلتستان میں لکھی اور چھپنے والی تقریباً تمام کتابوں میں ان کا نام ہمارے اس دعوی کی غماز ہے۔ میں نے انہیں علمی ادبی، دینی، ثقافتی میدانوں میں چلتا پھرتا انسائکلوپیڈیا پایااوران کی تحریری لیاقت اور بے مثال یادداشت دیکھ کر انہیں مشورہ دیا کہ وہ اپنی یادداشتوں کو لکھ لیں جو بلتستان کی نئی نسل کے لیے نہایت سودمند ہیں لیکن وہ کسی طرح تیار نہیں ہوئے۔ میں نے ان کے اس انکار کے باوجود نوائے صوفیہ انٹرنیشنل میں ان کے بارے میں ایک مضمون محسنین نوربخشیہ کے عنوان سے لکھ کر شائع کرایا تو وہ ناراض ہوئے اور بمشکل میں انہیں منانے میں کامیاب ہوا۔ افسوس اگر وہ میری اس صائب رائے پر عمل کرتے تو آزادی سے اب تک کی بلتستان کی تہذیب ،ثقافت، تاریخ، تعمیر ، ترقی، مختلف قوموں قبیلوں علاقوں کی حصوصیات ،سیاسی، معاشی اور معاشرتی صورت حال اور مستقبل میں امکانات محفوظ ہوجاتے اوران کی یہ تحریر نئی نسل کے لیے بے مثال سرمایہ اور علاقائی معلومات کا خزینہ ہوتا۔

وہ علمائے کرام کا بے حداحترام کرتے حتی الوسع ان سے استفادہ کرتے کم علم یانیم خواندہ مگر علماٗ کی صفوں میں دکھائی دینے والوں کو درخور اعتنانہ سمجھتے اور اور انہیں لفاظ اور لفظی ہیرا پھیری کرنے والا قرار دے کر گھاس نہ ڈالتے ۔ایسے نیم خواندہ قسم کے مولوی ٹائپ لوگوں سے دور دور رہتے ،وہ بدکردار سادات اورریاکار درویشوں کے سخت خلاف تھے اوران کی اصلاح کی کوشش کرتے تھے۔وہ جس بات کو درست سمجھتے اسے ڈنکے کی چوٹ پر کہتے کسی قسم کی رورعایت اور خوشامد سے کام نہ لیتے۔2016 میں ہم ایک ساتھ حج کے لیے گئے انہی دنوں میری کتاب انوار حج کا نیا ایڈیشن شائع ہوا تھا یہ پڑھ کر اس میں موجود دو تین خامیوں پر حجاج کے ایک گروپ کے سامنے مجھے آڑے ہاتھوں لیااور صاف کہہ دیا کہ آپ کی یہ بات بالکل غلط ہے درست بات یوں ہے۔کیونکہ ایک تو مناسک حج کی مصروفیات تھیں اور دوسری طرف اب کتاب چھپ چکی تھی اس لیے پاکستان واپسی کے بعد سٹکر کے ذریعے ہی درستی کرناممکن تھا چنانچہ مشورہ دیا اور سخت تاکید کی کہ اس کی اس طرح اوریوں درستی کرناہوگا۔

صوفی صاحب پکے اسم بامسمی صوفی تھے اور مسلک نوربخشیہ پر سختی سے کاربند تھے لیکن ان کے ہاں فرقہ واریت نام کی کوئی چیز موجود نہیں تھی ان کے دوستوں کا

سلسلہ بہت وسیع تھا ہر فرقے اور ہر طبقے کے لوگ یکساں طور پر شامل تھے۔ہر ایک سے گہرا تعلق اور دوستی رکھتے تھے مختلف علاقائی، معاشرتی مسائل کے حل اور مشورے کے لیے لوگوں کا تانتا بندھا رہتا تھا۔تمام مسالک کے دینی حلقوں میں وہ یکساں مقبول تھے۔چنانچہ جب ان کا جسد خاکی سکردو پہنچا دسمبر کی اس سخت کڑاکے کی سردی میں ہر مسلک کے علمأ ومشائخ اور زعمأ وخواص وعوام ہزاروں لوگ ان کا جنازہ ادا کرنے، ان کے لیے دعائے مغفرت پڑھنے اور انہیں الوداع کہنے حبیب کالج گراونڈ سکردو جمع ہوئے۔

ان کے اپنے بقول ان کا والد مال مویشی بالخصوص گھوڑے کا محدود کاروبار کرتے تھے اور خاندان گمنام تھا ان کے بقول ان کے والد کے اس محدود لین دین نے انہیں کافی ریلیف دیا تھا ملازمت کے دوران وہ اپنی تنخواہ پر گزارہ کرتے رہے ملازمت کے آخری دنوں بمشکل چار کمروں پر مشتمل مکان بنانے میں کامیاب ہوئے وہ بھی ان کے بقول والد کے پس انداز پیسوں سے بنا تھا۔

ان کا مطالعہ بہت وسیع تھا ان کے پاس اردو اور انگریزی کے مترجم قرآن پاک، تفاسیر، احادیث، نہج البلاغہ، فقہ اور مختلف موضوعات پر سینکڑوں کتابیں موجود تھیں وہ تصوف اور بزرگان صوفیہ بالخصوص شاہ ہمدانؒ کے عاشق تھے میری تقریباً تمام کتابیں وہ پڑھ چکے تھے مجھے بار بار بزرگان صوفیہ کے کتب ورسائل کو اردو میں ترجمہ کرنے کی ترغیب دیتے رہتے تھے۔جب کتاب چھپ جاتی تو کھل کر تحسین کرتے اور دعائیں دیتے۔اگر کسی سال کوئی کتاب نہ چھپ جائے تو وہ سخت ناراض ہوتے اور انہیں راضی کرنے کے لیے مجھے سخت پاپڑ بیلنا پڑتا۔کسی کتاب کی اشاعت میں تاخیر پر کہا کرتے تھے کہ" خدا کرے کہ آپ کی یہ کتاب ہماری موت سے پہلے چھپ جائے اور ہمیں پڑھنا نصیب ہو۔"صوفی صاحب کے مطالعہ میں سب سے زیادہ میر سید علی ہمدانیؒ کی کتاب ذخیرۃ الملوک رہتی تھی اس کے دو تین اردو ترجمے ان کے پاس تھے انہیں ایرانی دانشور سید محمود انواری کا ایڈیشن بہت پسند تھا میں نے اس کا اردو میں ترجمہ مکمل کیا تھا افسوس اس کی اشاعت تاخیر کا شکار ہوتی رہی اور وہ اس کو نہیں دیکھ سکے اب یہ کتاب انشا اللہ 10 فروری تک مارکیٹ میں آجائے گی۔شروع میں وہ ترجمہ کرنے کے حامی اور خود نوشت کتاب لکھنے اور شائع کرنے کے بوجوہ مخالف تھے لیکن بعد میں وہ دونوں قسم کی کتابیں چھاپنے کے قائل ہوگئے تھے۔وہ اپنے فرصت کے لمحات دینی کتابوں کے مطالعہ میں گزارتے تھے اس مطالعے کی بدولت وہ کسی بھی موضوع پر گھنٹوں گفتگو کر سکتے تھے۔ان کی گفتگو مدلل، منطقی مگر عام فہم پندونصائح پر مشتمل ہوتی تھی۔وہ خانقاہ نوربخشیہ کرسمہ تھنگ، مسجد العارفین کشوباغ اور مدرسہ شاہ ہمدان سکردو کے بانیوں میں سے تھے ان کی زیر سرپرستی سکردو میں مدرسہ شاہ ہمدان ایک معیاری اسلامی ادارے کا روپ دھار چکا ہے۔

ان کا گھر ہر ایک کے لیے کھلا تھا وہ ضرورت مندوں کی خوب مدد کرتے تھے ان کے پاس زیادہ تر دفتروں

بقیہ صفحہ نمبر 32 پر

معاشرہ ساز ہستی صوفی غلام محمدؒ

محمد صادق صدیقی

حضرت صوفی غلام محمد مرحوم ایک سچے مسلمان اور پکے صوفی تھے۔ آپ قرآن اور احادیث کے ساتھ ساتھ تعلیمات تصوف کی معلومات پر بہت زیادہ دسترس رکھتے تھے۔ آپ صوفیانہ طرز زندگی کے عین مطابق زندگی گزارنے میں مشغول رہتے تھے۔

آپ حضرت امیر کبیر میر سید علی ہمدانی کی مشہور آفاق کتاب ذخیرۃ الملوک کے حوالے سے فرمایا کرتے تھے کہ اگر کسی نے آپ کے راستے میں کانٹا بچھائے تو آپ اسے پھولوں کا گلدستہ پیش کریں -آپ معاملات میں انتہائی، صابر، صلح جو، دور اندیش، امن پسند انسان تھے۔ آپ فرمایا کرتے تھے۔ دین میں بدامنی پیدا کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔لہٰذا دین اسلام امن اور سلامتی کا نام ہے۔

آپ معاشرہ ساز ،انسان ساز تھے باقی زندگی کے تمام شعبوں میں کاہائے نمایاں سرانجام دینے والے انسان تھے۔

مجھے ۱۹۷۹ء میں حضرت صوفی غلام محمد مرحوم سے واسطہ پڑا، اس دوران خپلو اور سکردو میں مذہبی فسادات برپا ہوا۔ فساد کو ختم کرنے میں مرحوم نے کلیدی کردار ادا کیا۔ موصوف نے مذہبی فساد جیسی مشکل حالت کو اپنی خداداد صلاحیت سے ایسی کامیابی اے قابو پایا جو اپنی مثال آپ تھا۔سکردو میں مقیم نوربخشیوں کے لیے ایک پر امن فضا پیدا کیا۔ ۱۹۸۰ء کے بعد سے نوربخشی قوم میں مسلسل اندورنی، بیرونی ہر طرح کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی وجہ سے غیر یقینی حالت پیدا کرنے کی کوشش جاری رہی ۔ حضرت صوفی مرحوم کی اعلی صلاحیت ، مدبیرانہ قیادت میں ہم چند ساتھی مشکل حالات کا مقابلہ کرتے چلے آئے ہیں اور نوربخشی قوم میں استحکام پہنچا کر تعمیر وترقی کی راہ پر گامزن کر دیا۔

حضرت صوفی غلام محمد مرحوم زندگی کے ہر شعبہ میں مہارت رکھتے تھے ۔اس لیے مرحوم کسی بھی مشکل حالت یا مسائل کو کبھی مشکل نہیں سمجھتے تھے۔ دوسروں کو پتہ نہیں چلتا تھا کہ انتہائی مشکل دکھائی جانے والے آسان طریقے سے حل ہو جائے گا یہ ان کی اعلی صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت تھا۔

مرحوم انتہائی غریب پرور بھی تھے ، کمزور مظلوم لوگوں کے ساتھ کمربستہ ہو کر کھڑے ہو جاتے تھے - مجبور ولاچار لوگوں کے لیے فکر مند رہا کرتے تھے ۔لوگوں کے درمیان تنازعات اور جھگڑوں کو صلح وفائی سے ختم کرتے اور غریب مظلوم لوگوں کے مدد مرحوم کی زندگی کی ترجیحات

بقیہ صفحہ نمبر 40 پر

عہد حاضر کی تاریخ ساز شخصیت صوفی غلام محمدؒ

غلام علی حیدری

عہد حاضر کی تاریخ ساز شخصیت ،مردِ قلندر، درویش صفت بزرگ، محسنِ نوربخشیہ ،انجمن فلاح وبہبود صوفیہ نوربخشیہ سکردو کا سرپرستِ اعلی ،الحاج صوفی غلام محمدؒ کی المناک موت نہ صرف ہمارے لئے باعث رنج وغم ہے بلکہ تصوف کے اس گلشن میں ویرانی کا سبب بھی ۔ مورخہ 7دسمبر 2020بروزِ سوموار حرکتِ قلب بند ہونے کی وجہ سے اس دنیاسے رحلت کرگئے۔ان کی موت کی خبر جنگل کی آگ کی طرح ہرطرف پھیلی تونہ صرف ان کے لواحقین بلکہ ان کے چاہنے والے لاکھوں دل غمگین اورافسردہ ہوگئے۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ۔ہر شخص کوموت کامزاچکھناہے۔

جہاں ہم اس دنیامیں پیداہوئے ہیں وہاں ہم نے ایک دن مرناہے۔موت برحق ہے۔یہ قانونِ قدرت ہے ۔عہد حاضر کا درخشندہ ستارہ ،نوربخشیوں کا قیمتی اثاثہ ہمیشہ کے لیے ہم سے جداہوگیا۔اس خلا کوبرسوں تک پر کرنانا ممکن ہے۔ہم اس محسنِ ملت کی کمی کوبرسوں محسوس کرتے رہیں گے۔

وہ زہد وتقوی، عمل وعبادت،ہمت وجرات ، بہادری،روشن خیالی،اوربے باکی میں اپنی مثال آپ تھے۔وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھا نامساعد حالات اور ناموافق ماحول میں ثابت قدم رہنا،دینی اورمذہبی معاملات میں گہری دلچسپی لیناان کی شخصیت کی مضبوطی اوربلندی کاثبوت تھا۔ ایمانداری،دیانتداری،راست گوئی ، غریب پروری، اور خدمتِ خلق کے انہی بااصول خوبیوں اورمستقل مزاجی کی وجہ سے ان کو اعلیٰ شہرت اوربلند مقام حاصل تھا۔اپنا ہو یا بے گانہ،ہرایک ان کوعزت وتکریم سے یاد کرتے تھے۔

سال 1968 میں جب میں حصول تعلیم کے سلسلے میں سکردو آیااوربوائزہائی سکول سکردو میں نویں کلاس میں داخلہ لیا تواس وقت نوربخشیوں کی سرپرستی اور رہبری کرنے والوں میں ایک نمایاں شخصیت صوفی غلام محمد سیر میکی موجودتھے جو ہر خاص وعام کے غم اورخوشی میں شریک ہوتے تھے۔ جمعۃ المبارک کے اجتماع کے بعد ہمیں زبردستی اپنے ساتھ میٹنگ اور دیگرمذہبی اجتماعات میں بٹھاتے تھے ۔اس وقت انجمن صوفیہ نوربخشیہ سکردو کے خازن وہی تھے بعدمیں اس انجمن کے مشیراعلیٰ مقرر ہوئے۔ صوفی غلام محمد کے ساتھ ایک طویل عرصہ (52 سال) کام کرنے کا جتنا موقع مجھے میسر آیاشاید ہی کسی کو نصیب ہواہو۔الحمدللہ !ان کی رفاقت میں کام کرنے کا کیف وسرور ہی کچھ اور تھا مجھے ذاتی طورپر اپنی زندگی میں صوفی صاحب سے بہت کچھ سیکھنے اور سمجھنے کا موقع ملا۔صاحبِ

موصوف کا مطالعہ نسبتِ قرآن وحدیث اور علوم فقہ بہت وسیع تھا وہ نہ صرف ایک عمدہ عالم دین تھے بلکہ ایک بہترین مبلغ بھی تھے۔پند ونصیحت اور تبلیغ آپ کا بہترین مشغلہ تھا۔ آپ کی صحبت میں چند لمحات گزارنے کے بعد درس وتبلیغ سے متاثر ہوئے بغیر کوئی نہ رہتا تھا۔صوفی غلام محمد انتہائی زیرک،ذہین وفطین، فصیح وبلیغ، مخلص وملنسار،اور عزم وہمت کا پیکر مردِ مؤمن تھا ایسے مردم خیز ہستی کو جنم دینے والی عظیم ماؤں پر اللہ تعالیٰ کی رحمت ہو!

اکثر بڑے بڑے نامور عالم دین اور سکالر آپ کے سامنے بے بس ہوتے تھے اور ہر کسی کو ان کے سامنے لب کشائی کی جرات نہیں ہوتی تھی۔جناب صوفی صاحب علم تاریخ کے وہ نامور شہسوار تھے برسوں کے حالات وواقعات صحیح تاریخ اور سن کے ساتھ بیان کرتے تھے خصوصاً بلتستان بھر کے اکثر لوگوں کا شجرۂ نسب آپ ایسے بیان کرتے تھے جیسے کہ آپ خود اس خاندان سے تعلق رکھتے ہوں۔

اللہ تعالی نے انہیں بے پناہ نعمتوں اور صلاحیتوں سے نوازا تھا60 کی دہائی میں آپ کا شمار بلتستان کے ان چند نامور لوگوں میں سے تھا جن کو بیک وقت اردو اور انگریزی زبانوں پر دسترس حاصل تھا کافی عرصہ تک محکمہ صحت بلتستان کا انتظامی افسر رہے۔دفتری امور میں مہارت کی وجہ یہی تھی۔دوران سروس بحیثیت مجسٹریٹ/خزانہ افیسر سکردو خدمات سرانجام دیتے رہے جس کی وجہ سے آپ کو قانونی رموز اور قانونی موشگافیوں سے گہری واقفیت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ایک قابل قانون دان اور ماہر وکیل بھی تھے۔جب بھی سرکاری ملازم کو مشکل پیش آتی محکمانہ جواب طلبی یا سروسز رولز ریگولیشن کے سلسلے میں قانونی راہنمائی درکار ہوتی ،مفت آپ کی خدمات حاصل کرتے۔سرکاری ملازم کے علاوہ عام غریب لوگوں کے لیے مفت عرائض نویسی کا کام بھی سرانجام دیتے۔

آپ سرمک کے ایک خوشحال گھرانے کے چشم وچراغ تھے غربت اور مفلسی کے اس دور میں آپ کو کسی قسم کی کوئی پریشانی اور تنگ دستی کا سامنا کرنا نہیں پڑا تھا۔غیر صحتمندانہ کھیل،لہوولعب،دنیا کی رنگینیاں،عیاشی،غفلت اور فضول گپ شپ سے سخت نفرت کرتے تھے۔بامقصد،سچی اور حقیقت پسندانی زندگی گزارنے کو ترجیح دیتے اور تلقین فرماتے تھے۔جہاں کہیں جھگڑا فساد یا کوئی تنازعہ خواہ گھریلو ،علاقائی ہو یا مذہبی ہو اندرونی ہو یا بیرونی ،پیچیدہ سے پیچیدہ معاملات کو انتہائی خوش اسلوبی اور آسانی سے حل کرتے تھے۔آپ کو قضاوت میں بھی کافی تجربہ حاصل تھا دم واپسین تک صلح جوئی،دادرسی رواداری اور قیامِ امن کے لیے کوشاں رہے ملت وبرادری کے اندر جھگڑا فساد یا تنازعات کی خبر سن کر وہ بے قرار ہوتے تھے فریقین کی رضامندی ہو یا نہ ہو" بیگانے کی شادی میں عبداللہ دیوانہ" کے مصداق اس بندۂ ناچیز کو ساتھ لے کر وہاں پہنچ جاتے اور اللہ کی مدد سے فریقین کے درمیان صلح وصفائی اور بھائی چارہ گی قائم کر کے ہی واپس لوٹتے تھے۔اس سلسلے میں میں یہاں ایک مثال دوں گا تقریباً 42 سال پہلے جن دنوں وزیرپور شگر کے میر واعظ سید ابراہیم اور مولانا غلام رسول براہوی زندہ تھے

ان دونوں کے درمیان وہاں اذان کے الفاظ سے متعلق اختلافات پیدا ہوا سید صاحب اوراس علاقے کے بہت سے نوربخشی اذان میں اضافی کلمات نہیں کہتے تھے جبکہ بوار سول اس کے حامی تھے اس طرح دو گروپ بن گئے تھے جس کی وجہ سے نوربخشیوں میں سخت بے چینی پھیل گئی تھی حسب عادت صوفی صاحب مجھے لے کر متلووزیرپور شگر پہنچے صورت حال کا جائزہ لیا کیونکہ معاملہ کافی نازک تھا اس لیے ہم نے سکردو سے مفتی عبداللہ، شگر خاص سے سید محمد عراقی اور سید حسن شاہ کے والد کو بھی بلوایاوزیرپور، بوندو اور گلاب پور کے زعما کو بھی بلوایا وہیں مدرسے میں میر واعظ سید ابراہیم اور مولا غلام رسول کو اپنا اپنا موقف پیش کرنے اور بحث کرنے کو کہا ایک طرف سے عہد رسالت اور فقہ کی عبارت بطور دلیل دوسری جانب سے عوامی رجحان وجذبات اورولایت علی کے دلائل۔ معاملہ انتہائی نازک چنانچہ یہ مصالحتی فیصلہ کرلیا گیا کہ آئندہ سید ابراہیم کو اضافی کلمات کہنے پر مجبور نہیں کریں گے اور بوارسول گروپ کہے تو منع نہیں کریں گے۔ یوں معاملہ صلح پر ختم ہوا۔ بعد میں پہلے سید ابراہیم کا انتقال ہوا پھر بوارسول کا یوں اضافی کلمات خود بخود رائج ہوا اس طرح چالیس بیالیس سال پہلے صوفی صاحب کی سربراہی میں ہونے والے صلح سے نوربخشوں میں کلمات اذان پر اتفاق ہو گیا ہے۔

کسی بھی معاملے کے بارے میں کوئی درخواست یا قرارداد لکھنا ہو تو کئی صفحات پر مشتمل تفصیلی دستاویز کے ساتھ درخواست یا قرارداد لکھا کرتے تھے جب ہم درخواستوں اور قراردادوں کو مختصر کر کے پیش کرتے تو وہ بہت خوش ہوتے تھے۔ کبھی بھی یہ شکایت یا اعتراض نہیں کرتے تھے کہ میری محنت سے لکھے ہوئے جملوں، حالات وواقعات کو کیوں کم کیا بلکہ مختصر انداز بیان کی تعریف کرتے اور داد دیتے تھے۔ انجمن کا جتماع ہو یا عام نجی محفل آپ اکثر میر محفل کی حیثیت سے جلوہ افروز ہوتے تھے ان کی آمد سے محفل کی رونق دوبالا ہو جاتی اور محفل کو چار چند لگ جاتی۔ آپ صاحبِ سخن تھے اور نہایت سلیس سخنور تھے۔ محفل میں طویل سخن فرماتے اوراگر خدانخواستہ کہیں بولنے کا موقع کم ملتا یا کوئی ٹوکتا تو طبیعت مچل جاتی اورایک طوفان برپا ہو جاتا پھر کوئی نہ کوئی آپ کے غیض کا شکار ہو جاتا اور زیرِ عتاب آتا غیض زائل ہونے پر فوراندامت کا اظہار کرتے اور خود ہی پہل کر کے موقع پر معافی تلافی کے ذریعے معاملے کو رفع دفع کر لیتے تھے۔

یہ بات باعث نعمت وافتخار ہے کہ سکردو میں انجمن صوفیہ نوربخشیہ کے زیر اہتمام مدرسہ شاہ ہمدان سے لے کر جتنے تعمیراتی اور فلاحی کام ہوئے ان سب میں صوفی غلام محمد کا کلیدی کردار رہا ہے ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم اپنے بزرگوں کے کارناموں اور ان کی خدمات اور نیک جذبوں کو یاد رکھیں اوران کے مشکور وممنون رہیں اور ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرنا چاہیے یہی تقاضائے وقت ہے۔

نہ ہو فنکار باقی اس کا فن موجود ہوتا ہے
پرندہ اڑ بھی جاتا ہے چمن موجود ہوتا ہے

آہ مرد خود آگاہ صوفی غلام محمدؒ

احسان علی دانش

سرمیک کے صوفی غلام محمد صاحب انتقال کر گئے، یہ کوئی چھوٹی اور معمولی خبر ہرگز نہیں جسے سنی ان سنی کر دی جائے بلکہ قوم اس کاٹ دار خبر کے زخم کو برسوں محسوس کرے گی اور اس وقت تک محسوس کرتی رہے گی جب تک ایسا کوئی دوسرا مرد میدان و مرد خود آگاہ پیدا نہ ہوں اور اندازہ ہے کہ زمانے میں ایسے اوصاف کے حامل مرد کا پیدا ہونا ناممکن نہ سہی مشکل ضرور ہے۔

صوفی غلام محمد دفتری امور کے ماہر تھے، قانون کے دھنی تھے، پیشے سے عشق کی حد تک محبت کرنے والے تھے، انگریزی اور اردو زبانوں کے زباندان تھے، قانونی حدود سے آگاہ تھے، دین ان کا اوڑھنا بچھونا تھا، رہبری ان کی سرشت میں تھی، مطالعہ ان کے مزاج کا حصہ تھا، بچوں کی تربیت ایمان کا حصہ تھی، اپنے رشتہ داروں کا خیال رکھنا اپنے خیال سے زیادہ عزیز تھا، زندگی میں کسی فالتو محفل میں نہیں بیٹھے، رشوت جیسی لعنت ان کے قریب تک نہیں پھٹکی، سرکاری مال یا زمین پر بے جا قبضہ نہیں کیا، اپنے دوران سروس چار کمروں پر مشتمل جو گھر تعمیر ہوا وہ بھی اپنے والد بزرگوار کے پیسوں سے بنا چونکہ والد بزرگوار سرمیک کے صاحب ثروت تھے۔ باجماعت نماز کے عادی تھے، داڑھی کبھی نہیں مونڈھی، صوفی کا لقب جوانی میں حاصل کیا اور اس لقب کا پاس ایسا رکھا کہ اپنے بیگانے سب ان کے زہد، تقوی، ریاضت، عبادت، دیانت، وکالت، قضاوت، محبت، بے غرضی، شائستگی، بے باکی، بہادری، بلند خیالی، راست گوئی، مذہب دوستی اور رواداری کے قائل رہے اور مرتے دم تک ان کی تکریم و عزت میں کمی نہیں آئی۔ مرحوم نے اپنے نظریے پر کبھی سمجھوتہ نہیں کیا یعنی بقول علامہ اقبال

اپنے بھی خفا مجھ سے ہیں بیگانے بھی ناخوش
میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

بے باکی کی طاقت اور ایمان کی روشنی سے ان کا من روشن تھا، لہٰذا زندگی بھر قوم وملت کے کاموں میں دنیا ومافیا سے بے فکر ہو کر مگن رہے۔ صوفی غلام محمد سچ مچ صوفی تھے، ایسے ہی لوگوں کے لیے اللہ تعالٰی نے قرآن مجید میں فرمایا۔

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ (سورت یونس آیات ۶۲)

یاد رکھو کہ جو اللہ کے دوست ہیں، اُن کو نہ کوئی خوف ہو گا، نہ وہ غمگین ہوں گے۔

کسی بھی تصنع سے پاک میانہ قد کا یہ سیدھا سیدھا انسان سر راہ چلتے چلتے کسی اجنبی سے بھی ملتا تو موصوف کی سو فیصد سفید گھنی داڑھی کے ساتھ گلاب کی طرح سرخ و سفید

نورانی چہرہ دوسرے کو جھک کر سلام کرنے اور فیض حاصل کرنے پہ مجبور کرتا، اور اگر علیک سلیک کے بعد کسی بھی موضوع پر گفتگو چھڑ جاتی تو اس گفتگو سے متعلق تمام حقائق کے امکانات و احتمالات تک کی ریفرنس پیش کرتے اور مخاطب کی من کی دنیا میں اطمینان و تسلی کی روشنی پھیل جاتی۔ قرآن، احادیث، نہج البلاغہ، اور فقہ کے علوم سے اپنی بساط سے بڑھ کر آشنا تھے اور بسا اوقات انہی علوم کے سمندر کی شناوری میں گزارتے۔ پیشے کے لیے محکمہ ہیلتھ کا انتخاب کیا اور مدت ملازمت سے قبل ہی ایڈمنسٹریشن آفیسر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ دوران سروس انہوں نے بلتستان بھر میں سینکڑوں لوگوں کو میرٹ کی بنیاد پر روزگار دئے جن میں تعلیم یافتہ، غریب اور حقدار لوگوں کا خیال رکھا جس کے عوض نہ کسی سے رشوت مانگی نہ کچھ اور بلکہ ان لوگوں کے لیے سکردو شہر میں اپنے گھر کے دروازے کھلے رکھے اور یہ لوگ سکردو کے سفر کے دوران آپ ہی کے ہاں قیام وطعام کرتے۔

صوفی غلام محمد صاحب اب سے 78 سال قبل سرمیک میں حاجی محامد کے گھر پیدا ہوئے۔ صوفی صاحب کے مولود سے قبل جتنے بچے پیدا ہوتے وہ جوان ہونے سے قبل کسی بیماری میں مبتلا ہو جاتے اور مر جاتے لہذا نرینہ اولاد کی ضرورت و حفاظت کے پیش نظر حاجی محامد کو باب الحوائج امام موسی کاظم علیہ سلام کے یوم ولادت کا جشن عید اور یوم شہادت کا عرس مجلس سمیت سید الشہدا امام حسین کی عید منانے کی نیت کی۔ صوفی صاحب کے مولود کے بعد ان کی سلامتی کے لیے ان کے گھر میں یہ دونوں عیدیں اور ایک عرس کی تقریبات تواتر سے منعقد ہو رہی ہیں۔

حاجی محامد سرمیک کے رئیسوں میں شمار ہوتے تھے۔ اس لیے عام روایت سے ہٹ کر صوفی غلام محمد کو تعلیم دلائی جبکہ سرمیک ہی میں صوفی کے ہم عمر درجنوں لڑکے سکول جانے کو معیوب سمجھتے جبکہ زمینداری کو ناصرف غنیمت بلکہ اسے زندگی کا ماحصل سمجھتے۔ ابتدائی تعلیم آبائی گاؤں سرمیک میں حاصل کرنے کے بعد مڈل کی تعلیم کے لیے مہدی آباد گئے جہاں کا تعلیمی ماحول قابل تقلید تھا۔ مڈل تک کی تعلیم حاصل کرتے کرتے وہاں کے جید عالم الدین شیخ غلام حیدر سے عربی اور فارسی کی بھی ابتدائی تعلیم حاصل کی جن میں گلستان، بوستان، کریما، صرف اور نحو کی کتابیں سمیت قرآن کریم کی تعلیم بھی شامل تھی۔ صوفی صاحب وغیرہ سکول جانے والے لڑکوں کی وہ پہلی کھیپ تھے جو مڈل کے بعد میٹرک کی تعلیم کے لیے سکردو آئی اور ہاسٹل میں ٹھہری۔ صوفی صاحب حسین آباد بابو رضا کے ہاں بھی ٹھہرے اور بعد ازاں چھومک کے مقام پر کرایہ کے مکان میں بھی رہے۔ ذہانت کی دولت بچپن سے حاصل تھی لہذا اول سے آخر تک جماعت میں پہلی پوزیشن پر براجمان رہے میٹرک کرنے کے بعد آج کل کی طرح نوکری کے لیے دربدر کی ٹھوکریں نہیں کھانی پڑتی تھیں ادھر میٹرک پاس کر گیا ادھر نوکری کا آرڈر تھما دیا اور زندگی بتدریج بہتر گزرنے لگتی۔

صوفی غلام محمد نے اپنی ملازمت کے دوران قوم

کے نونہالوں کو شعور دیا کہ زندگی کی دوڑ میں آگے بڑھنے کا واحد راستہ تعلیم ہے جسے حاصل کیے بغیر منزل پانا ممکن نہیں۔ انہوں نے 1982 میں قوم کے جونیئر لڑکوں کو کشو باغ کے مقام پر باقاعدہ ٹیوشن پڑھانا شروع کیا جہاں خود انگریزی پڑھاتے، آری عبداللہ سائنس اور حساب پڑھاتے، بابو ذاکر بھی انگریزی پڑھاتے۔ صوفی غلام محمد صاحب کا جو نقطہ نگاہ تھا وہ بھی قابل ستائش تھا۔ نوربخشی جہاں جہاں زمین ہوتی وہاں مسجد سے پہلے ہاسٹل یا مسافر خانے بناتے تاکہ وہاں طلبا اور مزدور رہ سکیں اور ان کی موجودگی میں مسجد کی تعمیر بھی ہو جائے اور مسجد آباد بھی ہو جائے۔ کہتے ہیں گلگت میں پوسٹنگ کے دوران موجودہ خانقاہ معی کی تعمیر سے قبل یہاں بھی اپنی نگرانی میں پہلے کمرے بنوائے، ان میں جب لوگ بس گئے تو مسجد کی تعمیر کا جذبہ خود بخود پیدا ہو گیا اس دور میں گلگت میں مزدوری کے لیے آئے ہوئے مزدور اور چھاونی میں موجود نوربخشی فوجی بھائیوں نے ملی جذبے کے ساتھ اس متبرک کام کا آغاز کیا۔ کہتے ہیں کہ موجودہ خانقاہ کے آس پاس تعمیراتی پتھر میسر نہیں تھے اور لوگ اس سوچ میں تھے کہ پتھر کہاں سے کیسے پیدا کریں۔ یکایک آسمان پر گھٹا چھا گئی اور کونوداس کی پہاڑی پر زوردار بارش ہوئی جس نے ایک سیلاب کو پیدا کیا، وہ سیلاب اپنے ساتھ پتھر لے کر مسجد کے قریب پہنچ گیا۔ دو دنوں کے انتظار کے بعد سیلاب کا ملبہ ذرا خشک ہوا تو اندر سے اتنے پتھر نکلے جو مسجد کی تعمیر کے لیے کافی تھے۔ اور اب یہ عالیشان خانقاہ معلی موجود ہے۔

صوفی صاحب نے کئی محکموں میں سروس کی جن میں ایجنسی سرجن، سول سپلائی، تحصیل آفس خپلو، خزانہ، جیل خانہ جات اور محکمہ صحت شامل ہیں۔ صوفی صاحب اپنی خداداد صلاحیت اور ذاتی محنت کے بل بوتے پر ترقی کی منازل طے کرتے گئے۔ صوفی ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ سرکار بیت المال کا درجہ رکھتی ہے لہذا اس کے ساتھ دیانت داری ایمان کی علامت ہے۔ گلگت بلتستان میں سردیوں کے ایام میں 15 نومبر سے 15 فروری تک دفتروں میں جلانے کو لکڑی ایشو ہوتی ہے اور اکثر دفتری سٹاف بجائے دفتر میں جلانے کے بندر بانٹ کر کے گھروں میں لایا کرتے ہیں مگر صوفی صاحب نے اعلان کیا کہ دفتری ضروریات کا گھر لانا بالکل جائز نہیں یوں سردی کیسی ہی بڑھ جائے کبھی ایک تنکا گھر نہیں لایا حالانکہ بعض لوگ سرکاری لکڑی گھروں میں جلانے کے ساتھ ساتھ اپنے بزرگوں میں تحفہ کے طور پر پیش کرنا عین عبادت سمجھتے تھے۔ صوفی صاحب کے والد صاحب سرمیک کے دانالوگوں میں شمار ہوتے تھے اس لیے صوفی صاحب کو سکول داخلے کے دن ان کی عمر سے تین سال کی کٹوتی کر کے داخل کرایا تھا۔ صوفی صاحب کو اپنے والد بزرگوار کے اس عمل کی خبر ہوئی تو سرکاری کاغذات میں ساٹھ سال پورے ہونے سے تین سال قبل ہی پنشن لے لی۔ لوگوں نے جلد ریٹائرمنٹ کی وجہ پوچھی تو فرمائے کہ تین سال کی تنخواہ شاید جائز نہ ہوتی چونکہ حکومتی قانون کے مطابق مجھے کاغذی تاریخ پیدائش سے تین سال قبل ہی ریٹائرمنٹ لینی تھی۔

گلگت میں قیام کے دوران بلتیوں کے لیے جو کام کیا وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں۔ صوفی صاحب کو ایک کوارٹر

الاٹ ہوا ساتھ نثار شگری کو بھی کوارٹر الاٹ ہوا۔ کئی کمروں پر مشتمل دو کوارٹرز میں دو ہی بندے تھے لہذا دونوں نے ایک کوارٹر کو خالی کر کے بلتی ان لوگوں کے حوالہ کیا جو پڑھائی یا مزدوری کے لیے گلگت آئے ہوئے تھے۔

1970 سے پہلے سکردو انجمن صوفیہ نوربخشیہ کی بنیاد رکھی جس کا پہلا صدر راجہ فتح علی خان آف خپلو نامزد ہوا اسی دوران سکردو میں زیر تعلیم بعض طلبا اور کچھ فوجی بھائی اور چند مزدوروں کی باہمی کوششوں سے کرسمہ تھنگ کے مقام پر ایک چھوٹی سی مسجد تعمیر ہوئی جہاں اخون موسیٰ کو امام رکھا گیا جو ویٹنری میں چوکیداری کرتا تھا۔ اخون موسیٰ کے بعد اخون حسین کو بٹھایا گیا جو اس وقت گنگوپی کسی عالم کے پاس زیر تعلیم تھے اور ابتدائی عربی اور فارسی کے علوم سمیت دعوت اور فقہ احوط کے علم سے روشناس ہو چکے تھے۔ صوفی صاحب کی کوششوں سے آخون حسین کو نمک پیسنے والے کارخانے میں نوکری بھی دلائی اور اخوند امام جمعہ و جماعت بن گئے۔ کہتے ہیں ایک دن آخوند کی غیر موجودگی میں نمک فیکٹری کے پلاٹ سے کسی نے دو چار پودے اکھاڑے تھے جس کا جواب دہ آخوند صاحب تھے۔ آخوند نے تقاضا کیا تھا میں ایک ہی کام کر سکتا ہوں لہذا دونوں میں سے ایک کام چھوڑنا ہوگا۔ یوں صوفی صاحب کی مشاورت سے آخوند نے نوکری چھوڑ دی تاہم انجمن نے 80 روپے بطور ماہانا تنخواہ دینے کا عہد کیا اور نوربخشیوں کا جمعہ و جماعت کا سلسلہ بطریق احسن چلنے لگا۔

خپلو میں چند فتنہ پرور عناصر نے وہاں کے نوربخشی مسلمان اور شیعہ مسلمانوں کے درمیان جو کھلواڑ کیا اس سے پورے بلتستان میں مذہبی جنگ چھڑ گئی۔ مختلف جگہوں پر بہت سارے بے گناہ لوگوں کو زدوکوب کیا گیا، اس جنگ کے شور کی آہنگ اسلام آباد کے ارباب اختیار تک پہنچی تو وہاب الخیری نامی وکیل کی وکالت سے عدالت عظمیٰ نے کئی غنڈوں کو سزائے موت یا عمر قید کی سزا کا اعلان کر دیا۔ بالآخر اپنے پر امن پیارے بلتستان کے بچاو کی خاطر اس دور کے قائد شیعہ اثنا عشریہ علامہ شیخ غلام محمد اور صوفی غلام محمد کے بند کمرے میں چار گھنٹے کے بحث و مباحثے کے بعد تاریخی فیصلہ سنایا کہ فریقین ایک دوسرے کے مذہبی معاملات مین نا صرف مداخلت نہیں کریں گے بلکہ جو بھی عبادت خانے جس فرقے کے قبضے میں ہے وہ اس کے پاس رہے گا تاہم طرفین کے غنڈوں کو بلتستان کے دیرپا امن و سکون کی خاطر معاف کیا جائے گا۔

قوم و ملت جب کبھی یا بیگانوں کے پیدا کردہ مسائل میں یا اپنوں کے عطا کردہ خلفشاریوں میں گرفتار ہوئی تو آپ نے میدان میں جنرل، جھڑپ میں سپاہی، عدالت میں وکیل، جماعت میں استاد، محفل میں سرپرست، دفتر میں عرائض نویس انجمن میں مہتمم، تناؤ میں مصلح اور نظام میں منتظم بن کر جس حاضر دماغی سے صورت حال کا مقابلہ کیا وہ اب برسوں یاد رکھا جائے گا۔ مرحوم صوفی صاحب کے سوگواروں میں پاکستان کے مایہ ناز ماہر امراض چشم اور سکردو ڈی ایچ کیو کے میڈیکل سپرنٹنڈنٹ ڈاکٹر نیاز علی، پاکستان

بقیہ صفحہ نمبر 56 پر

صوفی غلام محمدؒ کی زندگی کے کچھ گوشے

صوبیدار ابراہیم بلغاری

بندہ 1996 میں فوجی ملازمت سے بحیثیت صوبیدار سبکدوش ہوا میں نے دوران ملازمت سکردو ٹوق کے مقام پر اپنے لیے ایک کٹیا بنالیا تھا جو خانقاہ نوربخشیہ کرسمہ تھنگ کے قریب تھا ان دنوں تعمیرات کم ہونے کی وجہ سے کھیتوں کی پگ ڈنڈیوں کے ذریعے خانقاہ آنا جانا آسان بھی تھا اور نزدیک بھی پڑتا تھا۔جب ملازمت سے سبکدوش ہوا اور سکردو میں رہائش پذیر ہوا۔کیونکہ فوج میں ملازمت کے دوران میرا دفتری معاملات سے واسطہ رہا تھا اس لیے مجھے سکردو انجمن فلاح وبہبود صوفیہ نوربخشیہ کا صدر منتخب کرلیا اور ساتھ ہی سکردو انجمن کے جملہ حساب کتاب میرے سپرد کیا گیا۔تب سے صوفی غلام محمد کے ساتھ میرا قریبی تعلقات قائم ہوئے تب سے ان کی دم واپسیں تک تقریباً 24 سال ان کے ساتھ بہت اچھی رفاقت رہی اس دوران خانقاہ،مسجد،انجمن فلاح وبہبود صوفیہ نوربخشیہ، مدرسہ شاہ ہمدان اور دیگر دینی معاملات میں ان کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا اس دور کو میں اپنی زندگی کا ماحصل سمجھتاہوں۔

مرحوم ملازمت سے سبکدوشی کے بعد سے انجمن ہذا کے سرپرست اعلیٰ چلے آتے تھے لیکن درحقیقت وہی انجمن فلاح وبہبود صوفیہ نوربخشیہ کے روح رواں تھے وہ دینِ حقہ کے تمام معاملات پر گہری نظر رکھتے تھے اور ہمہ وقت خدمات سرانجام دینے میں پیش پیش رہتے تھے۔مدرسہ شاہ ہمدان کی منصوبہ بندی،قیام اور بعد از قیام اس کو باحسن طریق چلانے میں ان کا کردار سنہرے حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔اس دوران انجمن کو سازشی عناصر کی شرارتوں کی وجہ سے کئی مقدمات کا سامنا کرنا پڑا لیکن صوفی غلام محمد کی قیادت میں ہم نے ڈٹ کر مقابلہ کیا اور تمام مقدمات میں بفضل خدا ہم ہی سرخرو رہے اور تمام مقدمات جیت لئے۔

صوفی غلام محمد مرحوم کا شمار بلتستان کے نامور شخصیات میں ہوتا تھا صرف مذہبی امور کے ہی نہیں بلکہ سیاسی،معاشرتی اور فلاحی امور کے تمام پہلوؤں پر دسترس رکھتے تھے وہ علم دوست،زیرک ، حق گو ،انصاف پسند، مستقل مزاج اور غریب نواز آدمی تھے ،اورانسان دوستی، تحمل اور استقامت میں پہاڑ تھے ان کی حق گوئی نے بھی انجمن کے لیے وقتی طورپر مسائل پیدا کیے لیکن انہی کی قیادت میں ہم اپنے درست موقف پر ڈٹ جاتے تھے جس کی وجہ سے بفضل الٰہی ہمیں ہی کامیابی وکامرانی ملتی تھی۔ان کے سامنے کوئی مسئلہ رکھ دیا جاتا وہ بآسانی اس کا حل ڈھونڈ نکالتے تھے۔انہوں نے بلتستان میں رونما ہونے والے کئی بڑے بڑے جھگڑوں اور فتنہ وفساد کو ختم کرنے اور امن

واماں کو فروغ دینے میں اہم کردار ادا کیا تھا۔

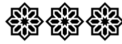
انہیں غضب کی یادداشت ملی تھی اور وہ بھلا کے ذہین واقع ہوئے تھے جو کچھ انہوں نے سنا یا دیکھایا کتابوں میں پڑھا، سب کچھ انہیں یاد رہتا تھا اور وہ مناسب موقع پر انہیں استعمال کرتا تھا انہیں نوربخشی مساجد کے ایمہ اور خانقاہوں کے میر واعظ حضرات کا نام نہ صرف یاد تھا بلکہ ان کا حسب نسب بھی یاد تھے اور ساتھ ہی ان کے حالات سے بھی باخبر رہتے تھے۔

انجمن فلاح وبہبود صوفیہ نوربخشیہ کو خانقاہ اور مدرسہ شاہ ہمدان کے سلسلے میں کبھی کوئی پریشانی درپیش نہیں ہوئی کیونکہ ان کی قیادت میں کابینہ کے سارے ارکان اور منتظمین چٹان کی مانند ڈٹ جاتے تھے۔ان کی ذہانت، دیانتداری،اور خداداد قابلیت سے ہمارے اپنے لوگوں کے علاوہ دوسرے مسالک کے لوگ بھی مرعوب اور معترف رہتے تھے تمام علمائے کرام اور سیاسی راہنماوں کے ساتھ اچھے تعلقات رکھنے میں وہ اپنی مثال آپ تھے۔

صوفی صاحب لوگوں کے دکھ درد میں ہمیشہ پیش پیش رہتے تھے ۔مظلوموں بالخصوص سرکاری دفاتر کے سرخ فیتے کا شکار ہونے اور معمولی معمولی باتوں پر انتقامی کاروائی کے ڈسے ہوئے ماتحت ملازموں کی مفت دادرسی اور دستگیری کرتے تھے۔

انجمن فلاح وبہبود صوفیہ نوربخشیہ سکردو مرحوم صوفی غلام محمد کی خدمات کو ہمیشہ یادرکھیں گے انہوں نے جو گائیڈ لائین متعین کیے ہیں انہیں حاصل کرنے کی جدوجہد جاری رکھیں گے۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ مرحوم کو اپنے جوارِ رحمت میں اعلیٰ مقام عطافرمائے اور ان کے لواحقین اوراولاد کو ان کی ناگہانی رحلت پر صبر اور اس پر اجر جزیل عطافرمائے آمین یارب العالمین۔



بقیہ۔ صوفی غلام محمد جنہیں ہم نے دیکھا

کے ستائے ہوئے لوگ حاضر ہوتے اور دفتری امور میں ان سے مشورے لیتے اور مدد مانگتے تھے گورنمنٹ سروینٹ رولز اور تعزیرات پاکستان میں وہ جیسا ماہر ہم نے نہیں دیکھا۔ صوفی صاحب نہ صرف دفتری بابوں بالخصوص گلگت اسلام آباد دفتروں میں رکے ہوئے کاموں کے درخواست گزاروں کو پروپوزل لکھ کر دیتے ، قانونی مشورے دیتے بلکہ انہیں کھلاتے پلاتے اور رخصت کرتے تھے۔

صوفی صاحب سکردو میں منعقد ہونے والے بین المسالک تقریبات کی جان تھے وہ نہ صرف ان تقریبات کی سرپرستی کرتے بلکہ عملاً شرکت اور خطاب کے ذریعے انہیں خوب سپورٹ کرتے تھے سکردو کی مسلکی ہم آہنگی میں ان کا زبردست کردار ہے گذشتہ پندرہ بیس سال سے متواتر منعقد ہونے والی "حسین سب کا" کانفرنس میں نہ صرف شریک ہوتے بلکہ خطاب بھی کیا کرتے تھے۔انکی ناگہانی رحلت سے جو خلاپیدا ہوا ہے برسوں اس کا پر ہونا ممکن نہیں ہے۔

مقدور ہو تو پوچھ لوں گردوں سے اے لئیم
تونے وہ گنج ہائے گراں مایہ کیا کیے

الحاج صوفی غلام محمدؒ آسمان ہدایت کا چمکتا ستارہ

باقر حاجی سرمیکی

صوفی غلام محمد، ایک عہد تھا جو ختم ہوا، ایک باب تھا جو بند ہوا۔۔۔۔ خداوند متعال کسی کسی کو یہ کمال بخشتا ہے کہ وہ آدم خاکی ہو کر بھی بمثل انجم ہدایت کے آسمان پر فروزاں ہو جاتا ہے۔ بلاشبہ حضرت علامہ محمد اقبال نے بھی ایسے ہی آدم خاکی کے عروج پر ماہ و انجم کے سہم جانے کا ذکر کیا ہے۔ تاریخ بلتستان، علی الخصوص داعیان اتحاد امت، ملت صوفیہ نوربخشیہ کی تاریخ میں صوفی صاحب سا ٹوٹا ہوا تارہ مہہ تابان بن کر ابھر چکا تھا۔ غلام محمد عمر میں گلگت بلتستان کے ہم عمر تھے۔ گویا دونوں ہم عمر ایک دوسرے کے راز و نیاز سے واقف تھے مگر یہاں کے سماجی زیر و بم اور اسلامی تاریخ کے نشیب و فراز پر صوفی غلام محمد کو خاص ملکہ حاصل رہا جس کا ثبوت ان کی پیشہ ورانہ مہارت، فرض شناسی، سماجی خدمت اور مدبرانہ قیادت ہے۔ تاریخ، جغرافیہ، قانون، دینیات اور تعلیم کے شعبوں میں آپ منفرد فکری زاویوں کے حامل تھے۔ آپ کا مادر وطن سے لگاو اور جذبہ ملی 1970 کی دہائیوں میں سرمیک کے کسی نوجوان طالب علم کو لکھے گئے ان کے اس چٹھی سے واضح ہے۔ جس میں موصوف لکھتے ہیں بلتستان میں قحط الرجال کا سماں ہے، خدا تعالی آپ پر مہربان ہے کہ آپ کو شہر میں پڑھنے کا بہترین موقع میسر آیا ہے۔ خوب محنت سے دل لگا کر پڑھا کرو اور اعلی تعلیم حاصل کرو تا کہ کسی اچھی سیٹ پر سلیکٹ ہو کر ملک و قوم کی بہتر خدمت کر سکو اور اپنا نام بھی خوب بنا سکو۔ ہماری طرح چند جماعتیں پڑھ کر نوکری کرو گے تو بابو ہی بن کر رہ جاؤ گے۔ اسی خط میں بین السطور وہ کسی نوربخشی مسجد پر اغیار کی جانب سے شب خون مارنے کا دکھ بھی بتا رہے ہیں۔ ملت کے ایسے اثاثوں کی حفاظت اور ایسے واقعات کی بیخ کنی کیلئے اعلیٰ عہدیدار افرادی قوت کی ضرورت و اہمیت پر بھی زور دیتے ہیں۔ اس سے ان کی حب الوطنی کے ساتھ ساتھ رفعت فکری، شعور سماجی ترقی، جذبہ ایمانی اور ملی احساس کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے۔ موصوف کو اپنی ذہانت، وسیع و عمیق مطالعے اور قابل رشک حافظے کی وجہ سے دفتر میں اپنے عہدے، سماج میں اپنے کردار اور ملت میں اپنے منصب سے بڑھ کر قدر و منزلت حاصل رہی۔ راست بازی اور حق گوئی ان کے رویے کی وہ روشن کھڑکیاں تھیں جس سے ان کی شخصیت کے نہاں خانے صاف صاف دکھائی دیتے تھے۔ قانون کا مطالعہ اور پیشہ ورانہ تجربے کا اثر تھا کہ ہمیشہ تول کر بولتے تھے اور ہمیشہ مدلل، موثر اور کارگر موقف اپناتے تھے۔ ایسے موقف رکھنے والے تو معاشرے میں اور بھی ملیں گے مگر ایسے واضح موقف کے ساتھ اس پر کاربند رہنے، اس پر ڈٹ جانے اور اسے ثابت کرنے میں جو خاص

ملکہ انہیں حاصل تھا وہ کسی اور حصے میں نہیں آسکا۔ دفتری امور کی بھاری ذمہ داریوں، جذبہ ملی اور گاؤں سے باہر رہائش کے باوجود اسے سرمیک کے ہر گھر کی خبر رہتی تھی۔ ایسے بچے بچو نگڑوں کے نام یاد تھے جن کو بالمشافہ کبھی انہوں نے دیکھے تک نہیں ہوتے۔ اس کے علاوہ گاؤں تو گاؤں ہر وہ شخص جن سے ان کی شناسائی ہوتی اس کے شجرہ نصب تک یاد رکھتے تھے۔ گاؤں کے لوگوں کے ایسے شجرے بھی اسے ازبر تھے جو کہ محکمہ مال کے ریکارڈ روم میں بھی شاید دستیاب نہ ہوں۔ صوفی کا لقب انہیں عام لوگوں کی طرح محض ان کے حلیے کلیئے یا وجہ باریش کی وجہ سے نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ان کی غریب پروری اور درویش منش طرز زندگی کی وجہ سے پڑ چکا تھا۔ یہ لقب بعد میں ان کے نام سے زیادہ مشہور و مقبول ہوا۔ شروع شروع میں جناح کیپ پہنا کرتے تھے بعد ازاں مصری سکل کیپ سرپر رکھا کرتے تھے۔ سفید کرتے، کالے جوتے اور کالے کوٹ، گویا مفتی ڈریس ان کا پسندیدہ ملبوس تھا۔ کھلا کھلا چہرہ، سفید گھنی داڑھ اور لبوں پر مسکراہٹ ان کی خاص پہچان تھی۔ جن کو وہ پسند کرتے تھے ان کی احوال پُرسی میں کنجوسی نہ کرتے البتہ جو انہیں نہیں بھاتے ان کے ساتھ اپنے مخصوص انداز مصافحہ کرتے اور سرسری سلام دُعا پر مفقود ہوتی۔ نڈر، بے باک اور اخلاقی جرات کے دھنی تھے۔ غیر مصدقہ، متنازعہ یا کمزور نکتے پر تو بالائے منبر کھڑے واعظ کو بھی نہیں بخشتے تھے۔ علماء کو نہ صرف غور سے سنا کرتے تھے بلکہ ان کی تقریر پر لفظ بہ لفظ غور کرتے اور خاص کر قصائد، مراثی اور نوحوں میں شاعروں کی غلطیوں پر بھی کڑی نکتہ چینی کرتے تھے۔ تاہم وہ کسی سے شخصی مخالفت کی بجائے نظریاتی یا اصولی مخالفت کے حامی تھے۔ ان کی ساری زندگی علم، عمل، اصول، حق پرستی اور اخوت سے معنون تھی۔ انہیں طالب علموں سے خاص رغبت تھی جو ان کے آخری آیام تک جوں کا توں جاری رہی بلکہ اپنے عہد ضعیفی میں اس پر بہت سوچ بچار کرتے تھے۔ انہیں کالج یونیورسٹیوں میں موجود ہر ہر بچے کا بائیو ڈیٹا اور خاص کر ان کے ریذلٹ کا باقاعدہ علم رہتا تھا۔ ملت کا کوئی طالب علم یا طالبہ کوئی کارنمائیاں سرانجام دے اور جس کا ان کو علم نہ ہو ایسا ممکن نہیں تھا۔ ملت کے تمام علماء سے برابر رسم وراہ رکھتا تھا صوم وصلواہ اور سماجی و معاشی مسائل حوالے سے دور افتادہ و پسماندہ علاقوں کی خوب خبر رکھتے ۔ قضاوت و مشاورت میں ہر کس و ناکس کے لیے بالخصوص ملت کے لیے کیٹلاک کا درجہ رکھتے تھے۔ ملی تاریخ و علوم پر مشتمل مطبوعات حتی کہ نوائے صوفیہ کے مندرجات ازبر تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ دیگر مسالک و مذاہب کی کتابوں کا بھی وسیع مطالعہ رکھتے تھے۔ ملت کی آبیاری کے لیے ہر اول دستے کا حصہ رہے اور سکردو میں مقیم رہ کر، کاروبار اور سرکاری عہدہ رکھنے کے باوجود بھی شہر تو شہر بیرونی علاقوں میں بھی ملت کی مشکلات کے ازالے کے لیے پیش پیش رہے اور کبھی بھی ذاتی نقصان کا نہیں سوچا اور حق کا علمبردار بنے رہے۔ مجھ ناچیز سے ان کی محبت میں لفظوں میں بیان نہیں ہوسکتی۔ مجھے آج تک معلوم نہیں ہوسکا کہ

بقیہ صفحہ نمبر 53 پر

سیر میک کا صوفی غلام محمدؒ

سید حمید علی حمیدی

صوفی غلام محمد مرحوم صرف نام کا نہیں اصل میں بھی صوفی تھا باریش، مجاہد ملت اور سنجیدہ چہرہ، بچپن میں جب بھی قوم پر کوئی امتحان آتے تو میرے والد مرحوم جن لوگوں کے پاس جاتے یا رابطہ کرتے ان میں سے ایک اہم نام صوفی غلام محمد صاحب تھے، اور صوفی صاحب سے پہلی ملاقات بچپن میں والد مرحوم کے ساتھ ہوا پھر یہ سلسلہ صوفی مرحوم کی رحلت تک جاری رہا، جب صوفی صاحب کو دیکھا تو دیکھ کر ہی لگا یہی صوفی صاحب ہے، صوفی صاحب اصل میں لفظ صوفی کا عملی نام تھا، نیک، متقی، پرہیز گار، صابر و شاکر، مدبر، صلح جو، اصلاح پسند، اور مشکلوں کا آسانی سے حل نکالنے والا، جب بھی ہم لفظ صوفی کا معانی جاننے کی کوشش کرتے تو فوراً صوفی غلام محمد آف سرمیک کا چہرہ ہمارے ذہین میں آجاتے، صوفی مرحوم اپنی ذات میں ایک انجمن تھے ہم اکثر محفلوں میں برملا اعلان کرتے رہتے ہیں کہ پورے نوربخشی انجمنوں میں سکردو انجمن کی کارکردگی شاندار ہے حالانکہ سکردو انجمن کو سخت مشکلات کا سامنا رہتا ہے لیکن ملت کی تعمیر و ترقی میں سکردو انجمن کا نمایاں کردار رہا ہے ان کا سہرا بھی صوفی مرحوم و دیگر اراکین کی شب و روز محنت کی وجہ سے ہے، صوفی مرحوم کی اہم خدمات میں سکردو انجمن کی شاندار کارکردگی، خانقاہ معلیٰ کرسمہ تھنگ کی تعمیر، شاہ ہمدان کمپلیکس کی تعمیر، ملک بھر میں مساجد و مدارس کی تعمیر و ترقی، معاہدہ کریس اور معاہدہ بلغار میں مرکزی کردار، خپلو میں امن و امان کیلئے صلح، سکردو میں ہنگامی حالت میں قوم کی راہنمائی، روزگار کیلئے مفید مشورے، قانونی مسائل کا حل اور دور دراز سے آنے والے بے سہارا لوگوں کا سکردو میں سہارا تھا، سکردو شاہ سید ہاسٹل کی موجودہ عمارت کو ایک شاندار عمارت بنانے کا خواب سمیت اور کئی کام کرنے کا عزم لے کر اس دار فانی سے چلے گئے ہمیں ان کے افکار اور اطوار پر چلنے کی کوشش کرتے ہوئے ان کے مشن کو مکمل کرنے کی ضرورت ہے آپ انتہائی مخلص، زمانہ شناس، علوم دینی اور دنیاوی کے ماہر اور ایک عظیم صوفی راہنما تھے، آپ کی خلوص اور سادگی کا بعض لوگوں نے غلط فائدہ بھی اٹھایا لیکن آپ نے کبھی ان کا ذکر تک نہیں کیا، آپ کی ملت کے لیے خدمات کو تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھا جائے گا، آپ کی کمی کو پورا کرنا ناممکن ہے، آپ ایک حق گو، امن پسند، مجاہد ملت اور اتحاد اسلامی کا علمبردار تھا، آپ واقعی میں صوفی تھے اور صوفی کے ساتھ غلام محمد بھی تھے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے آمین،



معاملہ فہم اور علم دوست شخصیت صوفی غلام محمدؒ

بابو ذاکر احمد کریسی

صوفی غلام محمد کا تعلق بلتستان کے ایک نواحی گاؤں سرمیک سے تھا وہ وہیں کے ایک زمیندار گھرانے کا فرد تھا اور DHQ ہسپتال سکردو کے MS سینئر کنسلٹنٹ اور نامورآئی سپلشلٹ ڈاکٹر حاجی نیاز علی کے والد تھے۔صوفی صاحب نہایت دیندار اور خداترس شخصیت کے مالک تھے۔

صوفی غلام محمدؒ سے راقم کی پہلی ملاقات ۱۹۶۴ء کے اوائل میں سکردو منشی حاجی ابراہیم صاحب سرمیکی کے ہاں ہوئی۔اس وقت صوفی مرحوم ہسپتال میں بحیثیت لوئرڈویژن کلرک سروس کررہے تھے۔ مختصر تعارف سے ہی ایک دوسرے کو پہچان گئے۔اس دن سے تامرحوم کے دم حیات راقم ساتھ رہے۔اس دوران بہت سارے اہم واقعات رونما ہوئے۔ان کا شمار ناممکن نہیں تومشکل ضرور ہے۔مرحوم کی زندگی اور مصروفیات سیاسی ، مذہبی اور معاشرتی میدان پر محیط تھی۔ شاید اے۔۱۹۷۰ء کا واقعہ ہے کہ باقاعدہ ووٹنگ سسٹم کی الیکشن کا پروگرام بنا۔ چنانچہ صوفی مرحوم نے اسمٰعیل مرحوم براہ والے کو الیکشن میں حصہ لینے پر آمادہ کرایا۔ چنانچہ وزیر صادق مہدی آباد کے آپس میں مقابلہ ہوا۔ گو اسمٰعیل مرحوم کو کامیابی نہیں ہوئی پھر بھی صوفی مرحوم بہت خوش ہوئے اور شکر ادا کرتے ہوئے کہنے لگے کہ نوربخشی دنیامیں بھی ایک نمائندہ پیداجو ہاراہوا ہی سہی۔

صوفی مرحوم بڑا غریب نواز شخصیت کے مالک تھے۔ بلاتمیز مذہب وملت وعلاقیت غریبوں کا خیال رکھتے تھے۔ ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ DFO آفس کے قریب مچلو کے ایک غریب آدمی جو شکر پاشا کے نام سے پکارا کرتے تھے۔ شیخ لال محمد کا بیٹا زبیر سے گاڑی لگ کر موقع پر جان بحق ہو گیا تھا۔ کسی کو بھی اس پر رحم نہیں آیا مگر صوفی مرحوم کو پتہ چلتے ہی موقع پر حاضر ہو کر ایک ہنگامہ بپا کیا کہ زبیر نے صوفی مرحوم سے معافی مانگی اور دس ہزار روپے اسکے لواحقین کو ادا کیا۔ اس سے مرحوم کو اتنی خوشی ہوئی کہ بارہااس کا ذکر کرتے تھے۔ اس واقعہ سے بہت مدد ملی ۔ اس کے بعد شگر ، خپلو سے مزدوری کے لیے آئے ہوئے مزدور اپنے مسائل کے حل کے لیے صوفی مرحوم کے پاس آتے اور ان کو اپنا سہارا سمجھتے۔مذہبی میدان کے بے حساب واقعات ایسے ہیں جس کا ذکر کرنے سے راقم قاصر ہے۔

دوران رفاقت راقم صوفی مرحوم کی مردم شناسی ، معاملہ فہمی ، خداخوفی، علم دوستی اور مذہب سے والہانہ لگاؤ نہایت متاثر ہوا ۔ رفاقت کے دوران میرے یاداشت کے مطابق ، نماز قضا نہیں ہوئی بلکہ مرحوم خود امامت فرائض انجام دیتے اور جماعت کے فیوض سے بھی مستفید ہوتے رہے۔

شفقت و مہربانی کا یہ عالم تھا کہ بلا تفریق مذہب و ملت و علاقہ طالب علموں کو پڑھائی میں محنت کرنے دلچسپی لینے غلط سوسائٹی مینٹین کرنے اور سگریٹ و دیگر منشیات سے دور رہنے کی ہدایت کرتے رہتے۔ چنانچہ طلباء کی پڑھائی اور نگرانی کے خاطر کشوباغ سنٹر میں ایک کوچنگ سنٹر کی اجرا کی۔ اس سے علاقہ خپلو اور شگر سے تعلق رکھنے والے طلباء کو بہت فائدہ ہوا۔ سکردو کھر گرونگ سے بھی بہت سارے طلباء داخل تھے۔ اس سنٹر کی اجراء سے طلباء میں قابلیت پیدا کرنے اور پوزیشن لینے کی رجحان پیدا ہوئے۔ روزانہ اور مسلسل ہدایت کی وجہ سے مثالی طلباء دیکھنے میں آتے۔ سکردو کے نور بخشی نو آبادیاتی نیا ظام میں آپ کی مذہبی خدمات بہت ہیں۔ آپ کی آمد کے وقت سکردو میں صرف موجودہ کرسمہ تھنگ خانقاہ ایک چھوٹی سی مسجد کی شکل میں ابتداء ہوئی تھی۔ معلومات کی حد تک منشی علی، حاجی حسن کریس اور اخوند حنیفہ خپلو کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ پہلی توسیع میں حاجی محمود کمال، پولیس عبدالرزاق، اخوند حنیفہ اور ابو سکور تولبا کا ذکر آیا ہے۔ بعد ازیں موجودہ حالت تک تین دفعہ توسیع کا کام ہوا ہے، صوفی غلام محمدؒ کی خدمات قابل ذکر ہے۔ اس کے علاوہ مرکزی انجمن میں بھی قابل قدر و ناقابل فراموش خدمات انجام دی ہیں۔ یوں کہئے کہ انجمن کا روح روان تھے۔ شاہ ہمدان ویلفئیر سنٹر کشوباغ کی ابتداء کا جہاں تک تعلق ہے وہ چھوربٹ کے دکانداروں اور فوجی پنشنروں سے تعلقات کے نتیجے میں علی نام کے کسی کھر گرونگ والے نے نرینہ اولاد کے دُعا کے لیے ایک کنال میں مسجد کے لیے وقف کیا تھا۔ مگر کئی سال تک شفیع کا کیس چلا صوفی مرحوم نے کیس میں مشیر اور تعمیر توسیع میں نگران کی حیثیت قابل قدر خدمات ہیں۔ جہاں تک شاہ ہمدان مسجد و مدرسہ کا تعلق راقم کو ڈی سی آفس سے ایک خسرہ نمبر ملا جس پر درج تھا کہ ایک کنال زمین باہتمام موچی عبدالسلام برائے انجمن صوفیہ نوربخشیہ سکردو درج تھا۔ جس پر کوئی ملحقہ خسرہ نمبر درج تھا اور نہ ہی شجرہ تھا۔ اس راز کو افشاں ہونے سے پہلے راقم نے راتوں رات حاجی انور، صمد، عیسیٰ اسحٰق براہ والے حسین ڈروا، صوفی اسمٰعیل خپلو والے اس کے علاوہ چند جوان جو مجھے اس وقت یاد نہیں جمع کیا ٹریکٹر حاجی ابراہیم ٹھیکیدار سکسہ والے کا تھا ڈرائیور رسول مچلو والا۔ راتوں رات قبضہ کیا، معمولی چاردیواری، ساتھ مسجد کی بھی بنیاد رکھ دی گئی۔ پتھر تر کھان عبدالرحمن چھوربٹ نے عطیہ کیا۔ دوسرے دن مرحوم کو بلایا گیا۔ بہت خوش ہوئے۔ مسجد کی بنیاد جو کھودی گئی تھی۔ قبلہ درست نہیں ہوا تھا، مرحوم نے درست کرایا، اس دن سے ان کی قیادت تک ان مراکز کی نگرانی کرتے رہے۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جزائے خیر عطا کریں۔ شاہ ہمدان ویلفئیر سنٹر کشوباغ اور شاہ ہمدان سنٹر ڈویژن کی موجودہ تعمیری کاموں میں حاجی ثناء اللہ ریٹائرڈ سیکرٹیری کا بھی قابل قدر خدمات شامل ہیں۔

صوفی مرحوم کی خدمات سکردو میں خصوصاً اور دیگر بلتستان کے دیگر علاقوں میں عموماً قابل قدر ہیں۔ راقم ان کی مذہبی خدمات پر مختصر وقت میں سیر حاصل روشنی ڈالنے سے قاصر ہے۔ یوں کہوں گا کہ مرحوم بابائے ملت

نوربخشیہ تھے۔

صوفی مرحوم نوربخشیوں کو مصائب و آلام اور بد حالی سے نکالنے اور تعمیر و ترقی میں الف ثانی کی مصدر اور نوربخشی تعلیمات میں انساکلوپیڈیا کی حیثیت حاصل ہے۔ مساجد و مراکز کی تعمیر اور نوربخشیوں میں اتحاد و یگانیت پیدا کرنے میں صوفی مرحوم نہ ہوتے تو نوربخشی دنیا میں اتنی ترقی وخوشحالی نہ ہوتی جو آج ہمیں دیکھنے میں آرہا ہے۔ طفیل کالونی کی مسجد کو ہی دیکھ لیجئے کہ حصول جگہ سے لیکر دو منزلہ آر سی سی بلڈنگ اور ملحقہ مسافر خانوں کی تکمیل تک مرحوم خود نے انتظام و انصرام کی ہے۔ قابل تحسین بات یہ ہے کہ اتی بڑی تعمیر میں کالونی سے باہر کا کوئی چندہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو اجر عظیم عطا کریں۔

صوفی مرحوم علم دوست اور عالم دوست شخصیت کے مالک تھے۔ بلا مذہب، ملت اور علاقیت علماء کا بہت احترام کرتے تھے۔ نوربخشی علماء کی الگ حیثیت تھی۔ پیرو کاروان نوربخشیہ تقریباً ۱۹۷۶ء سے ۱۹۹۳ء تک مذہبی خلفشار کا شکار رہے۔ جہاں کہیں معمولی بات ہوتی اس کاری ایکشن سکردو میں ضرور ہوتا۔ ہر ہر موقع پر سکردو کے علماء اور عمائدین کے مٹینگ و مجالس میں ضرور بلا لیتے۔ اکیلا اور پریشانی کے باوجود ایسے مدبرانہ دلیرانہ اور پر تاثیر انداز میں حقائق کو بیان کرتے کہ شرکاء محفل ان کی بات تسلیم کرنے پر مجبور ہوتے اور تمام تر غلط فہمیاں دور کرکے امن و آشتی کی فضا پیدا کرکے ہی آتے۔ راقم نے اپنے تمام رفقاء میں سے صوفی مرحوم جیسے مدبّر عالی ہمت و حوصلہ دلیر اور باصلاحیت رفیق نہ پہلے ملے ملا ہے نہ آئندہ ملے گا۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے آمین۔

خدا رحمت کناد این عاشقان پاک طینت را



بقیہ: میرے ابو میری جان

مجھے اپنے تینوں بھائیوں میں یہ اعزاز حاصل تھا کہ آپ جہاں بھی جاتے مجھے حکم دیتے اقبال مجھے سرمیک جانا ہے یا مجھے ایک میٹنگ میں مدرسہ شاہ ہمدان جانا ہے۔ میں تیار ہو جاتا اور ابو میرے ساتھ خوشی خوشی سفر کرتے۔ میرے ساتھ ایک دوستانہ ماحول میں فرینک ہو کر راز و نیاز کی باتیں بھی کرتے۔

سات دسمبر کی رات ہمارے لئے قیامت بن کے ٹوٹی جب یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی کہ ہمارے پیارے ابو جان صوفی غلام محمد اب اس دنیا میں نہیں رہے اور ہم چار بھائی اور پانچ بہنیں اللہ کے حکم سے یتیم ہو گئے ہیں۔ خدا ہمیں اس عظیم سانحہ کو سہنے اور صبر کرنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہماری والدہ محترمہ کا سایہ ہم پر قائم و دائم رکھے۔

ہمارے پیارے ابو جان کے لیے تمام عالم اسلام نے بالعموم اور نوربخشی دنیا نے بالخصوص آپ کی حیات میں بھی اور رحلت کے وقت اور بعد بھی جس عزت، پیار اور محبت کا اظہار کیا ان کا فرداً فرداً شکریہ بجالانا ہمارا فرض ہے ہم ان سب کا شکریہ ادا کرتے ہیں جنہوں نے ہمیں حوصلہ دیا۔ خدا ہمارے پیارے ابا جان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا کرے۔ آمین

مرد جری صوفی غلام محمدؒ

انجینئر بیگو دانیال

مر بھی جائیں تو لوگ کہاں بھلا دیں گے۔ موت بر حق ہے ہم میں سے ہر ایک کو ایک نہ ایک دن اس عارضی دنیا سے چلے جانا ہے مگر بقول

یار دنیا میں رہو غمزدہ یا شاد رہو
ایسا کچھ کر گزرو یاں کہ بہت یاد رہو

اس کارزارِ حیات میں بہت سارے لوگ آئے اور چلے گئے۔ خاک میں کیا صورتیں ہوں گی جو پنہاں ہو گئیں۔ مگر چند لوگ ایسے یہاں گزرے جن کو تاریخ ہمیشہ یاد رکھتی ہے۔ ایسے لوگوں نے قوموں کو نمو بخشی انہیں زندگی کے مقاصد سے آگاہ کیا وہ قوم کو آگاہ کرنے اور خواب غفلت سے بیدار کرنے میں کامیابی سے سرفراز ہوا اور تاریخ میں امر ہو گئے۔ الحاج صوفی غلام محمد مرحوم بھی ہمیشہ کے لیے امر ہو کر اس دار فانی سے رخصت ہو گئے ہیں۔ جب بھی نوربخشی اور بلتستان کی تاریخ لکھی جائے گی ان کا ذکر کیے بغیر تاریخ ادھوری رہ جائے گی۔ بلا شک وشبہ وہ ایک عظیم، متاثر کن شخصیت کے مالک تھے۔ ان کی زندگی ہر ایک کے لیے ایک تابندہ مثال ہے۔

جب اغیار کی سازشوں اور اپنوں کے خلفشاریوں کی وجہ سے دین حقہ کو خالصہ سرکار کہا جا رہا تھا تب صوفی صاحب اور ان کے چند مخلص ساتھی لوگ ہی تھے جو ہمارے عقائد ورسومات کو بچانے کے لیے کمربستہ ہو گئے تھے۔ بلاشبہ وہ ایک مرد مجاہد تھا۔

جب بھی دین پر کوئی مصیبت آئی وہ ایک رہبر دانا کے طور پر بے خوف وخطر کود پڑے اور ہر مشکل معاملے کو باحسن طریق حل کروالیا۔ یہ ان کی دور اندیشی اور معاملہ فہمی کا نتیجہ ہے کہ سکردو میں انجمن صوفیہ نوربخشیہ سکردو کے سرپرست اعلی کی حیثیت سے انہوں نے ایک مضبوط اور منظم انجمن تشکیل دی جو کہ آج دیگر تمام نوربخشی انجمنوں کے لیے ایک مثال اور کونسل آف گائیڈنس کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان گنت لوگوں کو نوکری اور سکردو میں سیٹل کرانے میں انہوں نے بھرپور مدد دی یہ ان کی انسان دوستی، دینی ذمہ داری اور فیاضی تھی۔

وہ ایک بہترین دینی رہنما کے ساتھ ساتھ ایک قابل استاد بھی تھے۔ دین داری، تقوی، دیانتداری کے ساتھ ساتھ دین فہمی بھی ان کے اندر کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔ مطالعے کے بے حد شوقین تھے ساتھ ساتھ اظہار رائے میں بھی انتہائی بے باک اور نڈر تھے۔ اپنی بات ڈنکے کی چوٹ پر بغیر لگی لپٹی دلیل کے ساتھ فرماتے اور سامنے والوں کو قائل کر کے دم لیتے تھے۔ اس حوالے سے کسی بھی معاملے میں ان کی رائے ہمیشہ سب سے معتبر ہوا کرتی تھی۔

سکردو میں اس وقت جتنے بھی نوربخشی مساجد اور آبادیاں ہیں کسی نہ کسی طرح ان تمام کا کریڈٹ صوفی صاحب کو ہی جاتا ہے اور یہ سب ان کی کوششوں کا ہی نتیجہ ہے۔ دین میں انتشار کے خاتمے کے لیے جب پہلے کیریس، پھر بلغار اور بعد ازاں وزیرپور شگر میں تاریخی معاہدے ہوئے جن میں انہوں نے معاملہ فہمی کے ذریعے جس طرح ایک بہترین اور سب کو قابل قبول فارمولا پیش کیا۔ اسے آج بھی یاد کیا جاتا ہے۔ مگر افسوس ان معاہدوں کی پاسداری نہ ہو پائی۔ ان کے غیر متزلزل ایمان اور مضبوط عقائد کی مثال کے لیے سکردو کیس میں ان کے بیان کا ایک پیرانوٹ کیجئے۔ فرماتے ہیں۔

"نوربخشی مسلک کے تعارف میں ایک چودہ روحانی نعرہ بھی ہے جسے آئینہ نوربخشیہ بھی کہا جاتا ہے جس کے تحت نوربخشی بندہ خدا ہونے کے ساتھ ساتھ متابعت سنت نبوی ﷺ، محب علیؑ، مذہب صوفیہ اور روش نوربخشیہ کہلاتے ہیں۔ محب علیؑ کہنے کی وجہ سے شیعہ نوربخشیوں کو امامیہ کہنے کے قائل ہیں جبکہ سنت نبوی ﷺ کی بنا پر اہلسنت ان کو سنی مانتے ہیں۔ مگر نوربخشی جیسا کہ آیت اللہ مرتضی مطہری نے لکھا ہے صوفیہ اصول کے بناء پر اور نوربخشی روش کی بنا پر سمجھتے ہیں۔ جیسا کہ اہلسنت حنفی، شیعہ جعفری روش (مانتے ہیں) روش فقہ کو کہتے ہیں۔ ایک فقہی نام ہوتا ہے دوسرا اصولی نام ہوتا ہے۔ ہمارا جرم یہ ہے کہ ہم اسی پر کاربند ہیں۔"

اللہ مرحوم صوفی صاحب کے درجات بلند فرمائے اور اس دین حقہ کی حفاظت فرمائے آمین۔



بقیہ: معاشرہ ساز ہستی صوفی غلام محمدؒ

میں شامل ہوتا تھا۔ تلخیوں میں صبر کو ترجیح دیتے تھے۔ لوگوں کے تنازعات ایسے ختم کر دیتے کہ ہوا ہی کچھ نہیں ہے۔ دونوں فریق کو خوش کرکے مشکل تنازعہ کو مختصر وقت میں نارمل بنتے اور بعد میں صلح کرتے۔ ہم بھی مرحوم کے بہت سارے طریقوں پر عمل کرتے ہوئے اپنی زندگی میں آسانیاں لاسکتے ہیں۔ چونکہ آپ مرحوم اب ہم میں نہیں ہے مگر مرحوم نے اس قوم کے لیے بہت کچھ کرکے زندہ رہنے کا سلیقہ سکھا کر گیا ہے۔ قوم کو سوچنا چاہیے کہ ہم زندہ کے لیے ہے۔ میری قوم کے نوجوانوں، بزرگوں سے اپیل ہے آؤ مل کر مرحوم حضرت صوفی غلام محمد رحمتہ اللہ علیہ کے طریقہ حیات کو مشعل راہ بنا کر عمل کرتے ہوئے باوقار کامیاب زندگی گزارنے کا راستہ اپنائیں۔

مرحوم کے کارناموں کو لفظوں میں بیان کرنا ممکن نہیں وہ ایک عظیم انسان تھے وہ اپنے کو سب سے کمزور سمجھتے تھے۔ اپنے سے ہر دوسرے کو بالاتر قرار دیتے تھے۔
دعا ہے کہ اللہ تعالی اُن کی مغفرت فرمائے اور اعلی علیین میں جگہ مرحمت فرمائے آمین



الحاج صوفی غلام محمدؒ کی دینی اور فلاحی خدمات

صدیقہ پروین منڈوق مدرسہ شاہ ہمدان البنات

محسن ملت فخر تصوف انجمن صوفیہ نوربخشیہ سکردو کے سرپرست الحاج جناب صوفی غلام محمد صاحب ایک نامور دل آویز شخصیت کے مالک انسان تھے۔ آپ ۱۹۴۸ء میں پیدا ہوئے۔ اپنے والدین کے اکلوتے اولاد ہونے کی وجہ سے ان کی تعلیم و تربیت پر شروع میں ہی خصوصی توجہ دے دی گئی۔ آپ کے والد گرامی کا شمار سرمیک کے رئیسوں میں ہوتا تھا اس لیے عام روایت سے ہٹ کر آپ کو تعلیم دی گئی جبکہ ان دنوں سرمیک ہی میں صوفی صاحب کے ہم عمر لڑکے سکول جانے کو معیوب سمجھتے تھے۔ اس وقت کی روایت کے مطابق میٹرک پاس کرنے کے بعد بطور کلرک بھرتی ہو گئے یوں آپ بابو صوفی کہلائے اور دم واپسیں تک اسی نام سے موسوم ہے۔

مرحوم کو سیاسی اور مذہبی امور پر مکمل عبور حاصل تھا۔ بلاشبہ وہ ایک شریف النفس انسان تھے۔ جن کا کام ہمہ وقت لوگوں کی خدمت، مدد اور فلاح و بہبود کے لیے کوشاں رہنا تھا۔ مرحوم صوم و الصلوٰت کے پابند اور غریبوں کا ہمدرد و غمگسار انسان تھے۔ تین بار حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کی تھی۔ آپ قرآن و حدیث اور فقہ کے علوم سے آشنا تھے۔ آپ نہایت ذہین و فطین اور اصول پسند تھے۔

صوفی صاحب کے ذاتی تجربات، محنت اور ہر ایک سے محبت کی وجہ سے انہیں بلتستان کی بڑی بڑی محفلوں اور مجلسوں میں ایک سکالر کی حیثیت سے مدعو کیا جاتا تھا۔ آپ ہمیشہ اتفاق اور یکجہتی کی باتیں کیا کرتے تھے۔ کسی بھی مذہب پر تنقید کرنے سے خود گریز کرتے اور دوسروں کو سختی سے منع کرتے تھے۔

آپ نے ذریعہء معاش کے لیے محکمہ ہیلتھ کا انتخاب کیا۔ دوران سروس بکثرت غریب، مستحق اور حقدار لوگوں کی کھل کر مدد کی اور ان کا خیال رکھا اور اپنی زندگی کو بہترین انداز اور شاندار طریقے سے گزارا۔ آپ سال میں چار سے پانچ دفعہ تلاوت قرآن مجید کا دور ختم کرتے تھے۔ تلاوت کے دوران ترجمہ کے ساتھ سمجھ کر پڑھتے اس مقصد کے لیے ترجمہ والے قرآن پاک اور تفاسیر سے کام لیتے۔ آپ نے اپنی زندگی میں قرآن و سنت پر عمل کر کے دکھایا۔ کہا جاتا ہے کہ آپ نے زندگی میں تین سے زیادہ کپڑے نہیں رکھے۔ زیادہ ہونے کی صورت میں آپ کسی غریب کو دے دیتے تھے۔

صوفی صاحب کی دینی سماجی اور فلاحی خدمات ناقابل فراموش ہیں۔ آپ نے اپنی ملازمت کے دوران قوم کے نونہال بچوں کو شعور دیا۔ کہ زندگی کی دوڑ میں آگے

بقیہ صفحہ نمبر 58 پر

ایک بیٹی گھنی چھاؤں میں

فوزیہ کلثوم

میرے داداجان ایک زندہ دل انسان تھے۔انہیں کتابیں پڑھنے اور پڑھانے کا بہت شوق تھاایسا لگتا تھا کہ وہ فروغ علم کا مشن لے کر آئے ہیں۔وہ نہ صرف اپنے گھر کے بچوں کو پڑھاتے بلکہ محلے کے بچوں کو بھی پڑھایا کرتے تھے۔وہ دینی تعلیم کے ساتھ ساتھ دنیوی تعلیم پر بھی توجہ دیتے تھے اور ساتھ ہی اخلاق وکردار سازی کی جانب خصوصی توجہ دیتے تھے۔

وہ اپنی ساری زندگی بہت سادگی سے گزاررا کرتے تھے۔گھر آئے غریب کو کبھی خالی ہاتھ جانے نہیں دیتے تھے۔مہمان کی آمد پر بے حد خوش ہوا کرتے تھے۔بچوں بڑوں سب سے برابر پیار کرتے تھے۔انہوں نے کھانے اور پہناوئے کی کبھی فرمائش نہیں کیا جو ملا کھالیا اور جو ملا پہن لیا۔ اپنی ذات کی بجائے دوسروں کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔

رات کو مقررہ ٹائم پر سوجانا اور صبح وقت پر اٹھنا، صبح کی سیر کرنا اور واک جیسے ہلکی پھلکی ورزش کرنا اپنے روٹین میں شامل رکھا کرتے تھے۔اپنی تکلیف میں اُف تک نہیں کرتے تھے۔اپنی صحت کے معاملے میں کبھی لاپروائی کا مظاہرہ نہیں کیا زندگی کے آخری لمحات میں بھی ہائے افسوس !اس دنیا سے رخصت ہونے سے تین دن پہلے ۴/دسمبر ۲۰۲۰ء بروز جمعہ ان کی طبیعت خراب ہونے لگی ان کا کہنا تھا کہ مجھے بس گھبراہٹ ہے انشا اللہ ٹھیک ہو جاؤں گا۔انہوں نے نئے کپڑے پہنے اور جمعہ کے لیے جامع مسجد جانے کی تیاری کی لیکن وہ ان کی زندگی کا پہلا جمعہ تھا کہ وہ ادا کرنے مسجد نہیں جا سکے۔انہیں ہسپتال لے جانا پڑا۔ وہ چل کے ہسپتال گئے انہوں نے بالکل ظاہر ہونے نہیں دیا کہ وہ تکلیف میں ہیں یا انہیں کچھ زیادہ درد ہے۔ انہیں AFTC راولپنڈی میں داخل کیا گیا۔

میں سوچتی ہوں کہ لوگ بیماری کو اپنے اوپر حاوی کر دیتے ہیں لیکن انہوں نے تب بھی اللہ تعالی کی ذات کا شکر ادا کیا یہ نہیں کہ میں بیمار ہوں میں کھا نہیں سکتا میں پی نہیں سکتا!انہوں نے اپنا کھانا خود مانگا شام کو ہم نے ڈاکٹر سے پوچھا کہ کیا انہیں کھانا دے دیں؟ڈاکٹروں کا کہنا تھا کہ انہیں تیسرے درجے کی ہارٹ اٹیک ہوا ہے۔لیکن افسوس ان کی زندگی اتنی ہی لکھی تھی۔اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ۔

ایسا لگتا ہی نہیں تھا کہ وہ ہمیں چھوڑ کر جائیں گے۔ وہ اتنے سکون سے لیٹے سب سے باتیں کرتے تھے۔ہمیں کوئی خدشہ محسوس نہیں ہوا کہ ہمارے داداجان اللہ پاک کو پیارے ہو جائیں گے۔خدائے تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے !انہیں جنت الفردوس میں عالی مقام عطا فرمائے! اور ہم سب کو ان کے بتائے ہوئے راستوں پر چلنے کی توفیق

عطافرمائے آمین۔

پیارے داداجان!

کبھی سوچانہ تھا کہ کوئی ایسے ہی بچھڑ جائے کہ پھر نہ لوٹ کر آئے بہت تکلیف ہوتی ہے۔

کوئی اپنا جو ہنستے تھے ہنساتے تھے۔ ہمیں جب چھوڑ کے جائے بہت تکلیف ہوتی ہے۔

جو کہتے تھے مرے بچے یہ دنیا کچھ نہیں اچھی ابھی سے آخرت اپنی سنوارو کام آئے گی۔

جو کہتے تھے کتابیں دنیوی پڑھنا ضروری ہے مگر تم آخرت اپنی سنوارو کام آئے گی۔

My Grandfather!!!

Mith thankful eyes!!!

We watched him svffer

and saw him slowly fade awey,

He faced his task with covrage, still he kipt on fighhing,untill the very end,Allah saw him getting fired ,and cver was not to be wo he put his hand around him and wish pered "come to me"We couldnot make him stay Agolden heart stopped beahng, Hardworking hands put to rest we couldnot make him stay.

بقیہ: الحاج صوفی غلام محمدؒ کے افکار

تحریک اور ادارے کے لیے کسی رہنما کی رہنمائی ناگزیر ہے جو ان کی مختلف مواقع پر فکری باگ ڈور سنبھالے رہتے ہیں ٹھیک ایسے ہی دین کو اس کی حقیقی روح سمیت سمجھنے کے لیے علمائے کرام کا دامن تھامے رہنے کی ضرورت ہے، جو کہ دین اسلام کی پُر حکمت باریکیوں کو آسان کرتے رہتے ہیں۔

۶۔ تاریخ گواہ ہے کہ اسلامی نقطہ نگاہ سے ہو یا مسلک نوربخشیہ کے باہمی انتشار و اختلاف کے حوالے سے جو نقصانات ہوئے یا ہو رہے ہیں جس کی خاص وجوہات تعلیمات الٰہی کو چھوڑ کر شخصیت پرستی، ذاتی قیاس آرائی اور عقلی من پسند روایتی تعلیمات اور عملیات ہیں۔

۷۔ دنیا فانی ہے اللہ کی تمام مخلوقات نے بھی فنا ہونا ہے ایک لاکھ 24 ہزار انبیائے کرام دنیا میں تشریف لائے اور چلے گئے۔ مگر ان کی تعلیمات اور درس و تدریس کا سلسلہ آج بھی بغیر نبی کے جاری وساری ہے۔ اقبال نے فرمایا۔

تھے تو آباہی وہ تمہارے مگر تم کیا ہو
ہاتھ پر ہاتھ دھرے منتظر فردا ہو

۸۔ ہمیں شخصیت پرستی، تنگ نظری، گروہ بندی اور تفرقہ بازی کی آگ میں چھلانگ لگانے اور بھٹکتے پھرنے کے بجائے قرآن و سنت اور اپنے بزرگانِ دین کی تعلیمات اور عملیات کا مطالعہ کر کے انہیں عملی جامہ پہنانا چاہیئے۔

اللہ تعالی صوفی صاحب کی لغزشوں کو معاف فرمائے اور جنت علیین میں جگہ مرحمت فرمائے آمین۔



الحاج صوفی غلام محمدؒ کے افکار

اقبال تونیہ

الحاج جناب صوفی غلام محمد مرحوم درویش صفت عظیم ہستی تھے آپ انتہائی ذہین، فطین اور کامل انسان تھے ساری زندگی دین، علمائے کرام، طلبا، غریبوں اور مسکینوں کی فکر میں لگے رہے مطالعہ آپ کا محبوب مشغلہ تھا کبھی زندگی کا ایک لمحہ کسی بے مقصد کام میں نہیں گزاری۔ جب کوئی اہم اور سنگین مسئلہ پیدا ہوتا تو انتہائی دانشورانہ اور منطقی انداز میں اس کو حل کرادیتے۔ اس لیے لوگ آپ کو ہر فن مولا سمجھتے تھے۔ آپ قرآن شناس بھی تھے اور انہوں نے اپنی ساری زندگی قرآن و سنت اور مستند احادیث کی روشنی میں گزاردی۔

آپ نے کبھی بھی اپنی ذاتی رائے اور ذاتی خیال کی بنا پر کبھی دین میں گروپ بندی اور تفرقہ بازی نہیں کی جو بھی معاملات ہوں دینی تعلیمات کی روشنی میں عمل درآمد کرنے کی کوشش کرتے تھے۔ صوفی صاحب کے حالاتِ زندگی ہمارے لیے مثالی نمونہ ہیں ہمیں ان کے فرمودات پر عمل کرنا چاہیے۔ آپ کی خواہش تھی کہ سلسلہ نوربخشیہ ایک پلیٹ فارم پہ جمع ہو تاکہ ہمارے لوگ خوشحال اور پرسکون زندگی گزار سکیں اور سلسلہ نوربخشیہ میں مزید ترقی ہو ویسے بھی تفرقہ بازی، اقرباپروری، ذاتی تشہیر اور شخصیت پرستی سے دین میں ترقی کبھی نہیں ہوئی۔ کسی نے کیا خوب فرمایا۔

روزِ ازل سے افراد تو آتے جاتے رہے لیکن
اللہ کی تعلیمات اور دین باقی رہے گا

ذیل میں ہم صوفی صاحب کے چند افکار دے رہے جنہیں ہم نے مختلف موقعوں پر ان کی زبانی سنا۔

۱۔ ہمیں چاہیئے کہ سب مل کر علمائے کرام اور دینی تعلیمات کی قدر کریں کیونکہ علماء انبیائے کرام کے علمی وارث ہیں جائیداد کے نہیں۔

۲۔ دولت اور شہرت وقتی طور پر شان و شوکت میں اضافہ تو کرتی ہے مگر دینی علوم اور علمائے کرام کو مسلک کا اثاثہ سمجھنا چاہیئے یہ عقلی دلائل نہیں بلکہ تعلیمات الٰہی کی روشنی میں واضح ہدایت ہے۔

۳۔ کائنات کا حقیقی معلّم رب تعالیٰ ہے اس نے علم و حکمت کو ایک عظیم کتاب کی شکل میں ہمارے پیارے نبی ﷺ پر اتارا اور اس عظیم ہستی کو معلّم بنا کر بھجا۔ حضور نے دین کو درس و تدریس کی شکل میں کائنات کی مخلوقات پر عیاں کیا۔ آج الحمدُ للہ ساری دنیا اس پر عمل پیرا ہیں۔

۴۔ انسانیت مکمل تب ہوتی ہے جب وہ قانون الٰہی کے مطابق بامقصد زندگی گزارے۔

۵۔ دین میں علماء کی حیثیت راہنما کی سی ہے، جس طرح کسی

بقیہ صفحہ نمبر 43 پر

داعی اتحاد بین المسلمین صوفی غلام محمدؒ

محمد ارسلان کبیر امیری

جسے چُنا علیؑ کو نبی ﷺ نے غدیر میں
ہر انتخاب سیکھ لو اس انتخاب سے

عظیم صوفی بزرگ ، خادم صوفیہ نوربخشیہ ، داعی اتحاد بین المسلمین ، ماہر قانون الحاج صوفی غلام محمدؒ ۱۹۴۷ء میں پیدا ہوئے آپ کے والد کا نام حاجی محمد تھا اور آپ کے والد کا شمار سرمیک کے رئیسوں میں ہوتا ہے۔ آپؒ اپنے والدین کا واحد اور اکلوتی اولاد تھا۔ آپؒ نہایت نیک اور باجماعت نماز پڑھنے والے تھے۔ اسی لئے آپؒ کو جوانی میں ہی "صوفی" کا لقب دیا گیا اور اس لقب کا پاس آپؒ نے ایسا رکھا کہ اپنی پوری زندگی اُمت مسلمہ کو یکجان رکھنے اور خاص طور پر اس ملت کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔

صوفی صاحب نے اپنی پوری زندگی اس ملت کی خدمت کے لیے وقف کر دیا۔ خاص طور پر صوفیہ نوربخشیہ کے عوام الناس پر ان گنت احسانات ہیں۔ آپؒ داعی اتحاد بین المسلمین کی عظیم مثال ہے۔ نوربخشی عوام کے درمیان جہاں بھی ان بن ہو جاتی ، وہاں صلح وصفائی کے لیے آپؒ کا کردار سرفہرست ہوتا۔ معاہدۂ بلغار اور معاہدۂ کریس انہی کی نگرانی میں انجام پائے ،نوربخشیوں کے درمیان سکردو خانقاہ معلی کے تنازعے اور خپلو خانقاہ معلی میں باہمی جھگڑے کے بعد مستقل حل میں بھی آپ نے اہم کردار ادا کیا اور خپلو چھچپن میں نوربخشیوں اور شیعوں کے درمیان تصادم کے حل میں بھی محمد اسماعیل براہوی سے مل کر کام کیا ان کے علاوہ بہت سارے جگہوں پر نوربخشیوں کے درمیان جب بھی کوئی اَن بن ہو جاتی وہاں پر آپؒ نے صلح کو اپنا شیوہ بنایا اور جو بھی مسئلے تھے اس کو بغیر لڑائی جھگڑے کے ختم کر دیئے۔ غرض یہ کہ نوربخشیہ کے لیے آپؒ کی خدمات بے شمار ہیں ۔ جہاں پر بھی جتنے بڑے تعمیراتی کام ہوئے مسجد ،مدرسے اور خانقاہ وغیرہ ان سب میں آپ کا کلیدی کردار ہے۔ مثلاً مدرسہ شاہمدان صوفیہ نوربخشیہ سکردو، خانقاہ معلی سکردو اور خانقاہ معلی گلگت اور اس کے علاوہ جہاں پر بھی محلوں میں مسجدیں تعمیر ہوئیں (سکردو) وہاں پر آپؒ پیش پیش ہوتے تھے۔

آپؒ تعلیم کے میدان میں بہت ہی عمدہ سنجیدہ تھے۔ اسی لئے آپؒ نے ۱۹۸۲ء میں کشو باغ کے مقام پر جونئیر لڑکوں کو باقاعدہ ٹیوشن پڑھانا شروع کیا۔ جہاں خود انگریزی پڑھاتے، ریجنل انجینیر عبداللہ سائنس اور حساب پڑھاتے اور بابو ذاکر بھی انگریزی پڑھاتے۔ اس سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مرحوم کو تعلیم کا کتنا شوق تھا۔ نہ صرف آپ نے تعلیم پر خود توجہ دی بلکہ دوسرے لوگوں کو بھی تعلیم کی طرف راغب کیا۔ آپؒ نے اپنے گھر میں ایک لائبریری بنائی

ہوئی ہے۔ جس میں آپؒ مطالعہ کیا کرتے تھے۔ آپؒ کہا کرتے تھے کہ نوربخشیوں کا زوال اس وقت ہو گا۔ جب نوربخشیوں کے مدرسے صحیح طرح سے نہ چل رہے ہوں اور ٹوٹ رہے ہوں۔ اسی لئے آپؒ خود اکثر مدرسہ شاہ ہمدان سکردو جایا کرتے تھے اور دیکھتے تھے کہ تعلیم کا نظام ٹھیک چل رہا ہے یا نہیں؟ آپؒ ہمیشہ بندہ کی تعلیم کو دیکھتے تھے۔

مولانا عارف حسین خطیب و امام جمعہ خانقاہ معلی صوفیہ نوربخشیہ جب پہلی دفعہ بطور استاد مدرسہ شاہ ہمدان میں انٹرویو کے لیے گئے تو اس وقت مرحوم جناب صوفی صاحب بھی انٹرویو لینے والی ٹیم میں بطور ممبر موجود تھے۔ جناب مولانا عارف حسین کا انٹرویو لینے کے بعد جب کسی دوسرے نے جو مولانا سے انٹرویو لینے والی ٹیم کے ممبر تھے،اعتراض کرتے ہوئے کہا کہ یہ نوربخشیوں میں سے دوسرے گروپ سے تعلق رکھتا ہے۔ جب صوفی صاحب کے اظہار خیال کا موقع آیا تو آپ نے فرمایا کہ کسی دوسرے گروپ سے تعلق ہو یا نہ ہو اس سے میری کوئی غرض نہیں کیونکہ آپ (جناب مولانا عارف) کی تعلیم بہت اچھی ہے۔ اس لیے میں آپ کو بطور استاد مدرسہ میں تعینات کرنے کی منظوری دیتا ہوں (یہ واقعہ مولانا عارف نے خود تعزیتی ریفرنس جو کہ سکردو مدرسہ شاہ ہمدان میں منعقد ہوئی،بیان کیا) اس واقعہ سے ہم اس بات کا اندازہ لگا سکتے ہیں کہ آپ ہمیشہ بندے کی تعلیم اور میرٹ کو دیکھتے تھے۔ جب میں خود تعزیتی ریفرنس جو سکردو مدرسہ شاہ ہمدان میں منعقد ہوئی تھی،میں حاضر ہوا اور صوفی صاحب کی خدمات کے بارے میں جو کہ ملت نوربخشیہ کے لیے انہوں نے سرانجام دیے تھے سنا تو مجھے اس وقت سمجھ میں آیا کہ ایک عَالِم کی موت واقعی عَالم کی موت ہوتی ہے۔یعنی ایک عالم کے اس دنیا سے چلے جانے سے پورے عَالَم(کائنات) کی موت ہو جاتی ہے۔

مرحوم صوفی غلام محمدؒ عظیم شخصیت کے مالک تھے۔ آپؒ کی وفات پر نہ صرف ان کے خاندان اور لواحقین غمگین ہیں بلکہ پوری نوربخشی قوم افسردہ ہے۔ گو کہ آپ کی خدمات اس دین کے لیے ان گنت ہیں اور اسے ایک مضمون میں لکھا نہیں جا سکتا لیکن بندہ ناچیز نے کوشش کی ہے کہ آپ کی خدمات کے کچھ پہلو قلمبند کروں۔

آپ کی وفات پر سبھی لوگ غمگین ہیں آپ کا نماز جنازہ حبیب کالج کے سکردو کے گراؤنڈ میں ادا گیا گیا جس میں ہزاروں لوگوں نے شرکت کی،نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد آپ کے جسد خاکی کی تدفین کی گئی۔

مرحوم صوفی غلام محمد جیسے عظیم لوگ ہزاروں سال بعد پیدا ہوتے ہیں۔ آپ کی ملی خدمات کو نوربخشی قوم کبھی بھول نہیں سکے گی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ اللہ آپ کے درجات کو بلند فرمائے اور آپ کی قبر کو جنت الفردوس کا ایک ٹکڑا بنائے۔ ہم سب کو آپؒ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمیں بھی صوفیہ نوربخشیہ کی دن رات خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العلمین



روداد تعزیتی کانفرنس صوفی غلام محمدؒ بمقام سکردو

شاہد حسین حسین آبادی (نعت خواں)

یوں تو میں آج تک صرف اپنی خداداد آواز کی نعت کے ذریعے سے اپنی پہچان بنانے کی کوشش کرتا رہا ہوں الحمدللہ اس سلسلے میں میں بہت ہی خوش قسمت واقع ہوا ہوں آج نعت رسول مقبولﷺ کے حوالے سے میری منفرد پہچان اور الگ شناخت بن گئی ہے۔

این سعادت بزور بازو نیست

تانہ بخشد خدای بخشندہ

پڑھنے لکھنے میں ویسے بھی ہم نارمل ہی رہے۔لکھنا ہر کس وناکس کے بس کی بات نہیں مگر ایک حادثاتی لمحہ ایسا آیا جس نے مجھے کچھ لکھنے کی جسارت پر مجبور کیا اور سچی بات بھی یہی ہے کہ اس شخصیت پر کچھ لکھتے ہوئے مجھے سکون دل بھی حاصل ہو رہا ہے۔

صوفی غلام محمد انتقال کر گئے۔جنگل میں آگ کی طرح اس خبر کے پھیل جانے کے بعد اہل بلتستان غم کے سمندر میں ڈوبتے چلے گئے ساتھ ہی انفرادی اور اجتماعی دعائے مغفرت کا سلسلہ کراچی کی ساحلوں سے دامن سیاچن تک تک پھیلتا چلا گیا۔ان کی رحلت کے بعد بلتستان بھر میں اس عظیم ہستی کے حوالے سے تعزیتی ریفرنس کا انعقاد کیا گیا۔مدرسہ شاہ ہمدان سکردو میں انجمن صوفیہ نوربخشیہ کی طرف سے قران خوانی اور ایک تعزیتی ریفرنس کا انعقاد کیا گیا چونکہ صوفی غلام محمد اس انجمن کے بانی اور سرپرست تھے۔انہوں نے اپنی ساری زندگی بلکہ زندگی کا ایک ایک لمحہ دین حق کی آبیاری کرنے میں گزاری تھی۔انہوں نے اس وقت مختلف وادیوں سے تلاش روزگار کے لیے سکردو آنے والے نوربخشی مسافروں کو جہاں پناہ دی تھی، وہاں انہیں حوصلہ بھی دیا تھا اور چنانچہ دھیرے دھیرے وہ ایک مضبوط کمیونٹی کے طور پر اپنی شناخت بنانے میں کامیاب ہوئی۔

انجمن صوفیہ طور بخشیہ نے جب ان کی بے پناہ خدمات کے اعتراف میں ریفرنس کا اعلان کر دیا تو شدید موسمی حالات کے باوجود بھی مدرسہ شاہ ہمدان کی مسجد مومنین اور مرحوم کے معتقدین سے کچھا کھچ بھر گئی اور اس ریفرنس کی ابتدا سے اختتام تک لوگ روتے رہے۔ اس ریفرنس میں نوربخشی دنیا کے تمام نامور علماء، اکابرین اور عوامی نمائندے موجود تھے مگر اسے میری خوش بختی کہیے یا میرے استاد محترم احسان علی دانش کی حوصلہ افزائی کہ ان کی غیر موجودگی میں ان کا لکھا مقالہ مجھے پڑھنے کا حکم ملا ساتھ ہی انجمن کے جنرل سیکریٹری نے سٹیج سیکرٹری کے فرائض کی ذمہ داری بھی میرے ناتواں کاندھوں پر ڈال دیا جسے میں نے نہ صرف قبول کیا بلکہ بطریق احسن نبھانے کی کوشش بھی کی۔

اس تعزیتی ریفرنس کا آغاز تلاوت کلام پاک سے ہوا جس کی سعادت قاری غلام رسول ربانی نے حاصل کی۔ اسلامی مملکت میں تقریب کوئی بھی ہو ذکر نبی کے بغیر انجام کو نہیں پہنچتی لہذا سامعین کے اصرار پر یہ نیک کام بھی بہ توفیق ایزدی میرے حصے میں آیا۔ یوں نعت کے دو اشعار پڑھ کر سلسلے کو آگے بڑھایا۔ اس تعزیتی ریفرنس کی صدارت کے لیے جناب مفتی علی محمد ہادی تشریف فرما تھے تو مہمان خصوصی کے طور پر مرحوم کے فرزند ماہر امراض چشم جناب ڈاکٹر نیاز علی صاحب میڈیکل سپرنٹنڈنٹ سکردو جلوہ افروز تھے۔ انجمن فلاح و بہبود صوفیہ نوربخشیہ کے جنرل سیکرٹری جناب غلام علی حیدری نے خطبہ استقبالیہ پیش کیا اور ساتھ ساتھ صوفی غلام محمد کی بے داغ زندگی کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی اور شاندار الفاظ میں خراج عقیدت پیش کیا۔ حیدری صاحب چار دہائیوں سے صوفی غلام محمد کے معاون کے طور پر مذہبی خدمات سر انجام دے رہے ہیں اور سکردو میں پیش آنے والے سارے مسلکی مسائل پر ہر اول دستے کی صورت میں مسائل کا سامنا بھی کر رہے ہیں اور خدا نے سرخ روئی بھی عطا کی۔ حیدری صاحب کے اس خطبہ استقبالیہ کے بعد مولانا شیر علی نے ان کی مذہبی خدمات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ان کی زندگی ہمارے لئے نمونہ عمل ہے جس سے سبق حاصل کرتے ہوئے ان کی طرح بے داغ زندگی گزارنے کی کوشش کریں ساتھ ہی دین وملت کی خدمت کریں تا کہ ہم دین اور دنیا دونوں میں سرخرو ہو سکیں۔ اس موقع پر مولانا عارف حسین مرکزی امام جمعہ و جماعت صوفیہ نوربخشیہ سکردو نے ان کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا کہ میں ان کی ایمانداری اور زہد و تقوی کا برسوں سے معترف رہا ہوں ان سے جڑے خوبصورت لمحات اور یادیں میری میموری میں محفوظ ہیں آج شدت سے ان کی کمی محسوس کرتا ہوں یقیناً ان کا نعم البدل ملنا مشکل ہے۔ میں مرحوم کے ساتھ جب حج پہ گیا تو انہیں دیکھ کر حیران رہا۔ ظاہری طور پر ہم سب سے عمر رسیدہ انسان مگر ہر عمل ہم سے بہتر اور بر وقت بجالایا کرتا۔ اس ریفرنس میں مولانا محسن ساقی نے بھی ان کی مذہبی، سیاسی اور سماجی خدمات کا ذکر کیا اور کہا کہ وہ اپنے حصے کا کام تمام کر گئے اب ہم نے ان کے مشن کو لے کر چلنا ہے لوگوں کے خطابات سن سن کر رہ رہ کر خیال آتا رہا کہ کاش اس ہستی سے کتنا استفادہ کیا جاسکتا تھا، وہ کتنے عظیم انسان تھے اور دل غم سے نڈھال ہوتا جاتا تھا۔

اگرچہ مجھے بھی ان کی شفقت اور محبت حاصل رہی۔ راولپنڈی میں ان کے گھر سے متصل ہمارا حسین آباد ہاؤس موجود ہے اور کبھی سردیوں میں جب ہم وہاں پہنچتے تو اکثر ان کے پاس جایا کرتے تھے مرحوم بہت خوشی کا اظہار فرماتے اور اپنے پاس رکنے کے لیے کافی اصرار بھی کرتے تھے اس کے علاوہ جب بھی جہاں ملتے تھے وہ اپنی شفقت کا ہاتھ میرے سر پر پھیرتے۔ اب اس موقع پر اور بھی بڑی یادیں مجھے یاد آرہی تھیں جیسے میری یاد داشت واپس آرہی ہو اور ایسے میں دل خون کے آنسو روتا۔ اس تعزیتی ریفرنس میں میرے استاد محترم ہمارے معروف شاعر و قلمکار احسان

بقیہ صفحہ نمبر 57 پر

یاد ماضی صوفی غلام محمدؒ سے انٹرویو

غلام رسول ثاقب سرمیک

نوائے صوفیہ شمارہ نمبر ۱۲۱ دسمبر ۲۰۱۴ کے شمارے میں الحاج صوفی غلام محمد مرحوم کا ایک انٹرویو چھپ گیا تھا۔ یہ انٹرویو غلام رسول ثاقب سرمیکی پرنسپل ماڈل ہائی سکول خپلو نے لیا تھا۔ اس انٹرویو کی اہمیت اور افادیت کو مد نظر رکھتے ہوئے نوائے صوفیہ ای ایڈیشن کی ٹیم نے اس کو دوبارہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ نشرواشاعت کی اہمیت اور ضرورت پر صوفی صاحب نے ان دنوں زور دیا تھا۔ شاہ ہمدان پریس اینڈ پبلکیشنز کی تشکیل اور راولپنڈی کی تاریخ میں سب سے بڑے پریس کی خریداری اور کاروبار کے ساتھ ساتھ نشرواشاعت کا آغاز اسی انٹرویو کی آواز بازگشت تھی افسوس تین کتابی فلسفے اور شوروغل تلے یہ بہترین پروگرام پنپ نہ سکا نا۔صوفی صاحب کے زریں خیالات آج بھی مشعل راہ ہے۔

گزشتہ دنوں معروف دانشور الحاج صوفی غلام محمد سرمیکی صاحب سے ان کی قومی وملی خدمات کے حوالے سے ایک انٹرویو کا اہتمام کیا گیا جس میں صوفی صاحب نے اپنی تعلیم، پیشہ ورانہ زندگی، ماضی کے مسائل اور مستقبل کے چیلنجز کے بارے میں تفصیلات بتائیں جسے راقم نے صفحہ قرطاس پر منتقل کرنے کی کوشش کی ہے تاکہ نوائے صوفیہ انٹرنیشنل کے قارئین صوفیہ نوربخشیہ سے تعلق رکھنے والے اس عظیم شخصیت کی زندگی کے مختلف گوشوں کے بارے میں معلومات حاصل کر سکیں۔

نوائے صوفیہ: کیا آپ اپنی تعلیمی کوالیفکیشن کے بارے میں بتانا پسند فرمائیں گے؟

صوفی صاحب: جی میں نے 1962ء میں میٹرک کا امتحان ہائی سکول سکردو سے فرسٹ ڈویژن میں پاس کیا۔ ایف اے کا امتحان پرائیویٹ طور پر پنجاب بورڈ سے پاس کیا۔ پرائیویٹ طور پر بی اے کا کورس بھی مکمل کیا تھا مگر ان دنوں امتحان کے لیے پنڈی جانا پڑتا تھا بحالت مجبوری امتحان میں شامل نہیں ہوسکا۔

نوائے صوفیہ: صوفی صاحب ماشاء اللہ آپ اسلامی تاریخ، فقہ، علم وادب اور تصوف جیسے علوم پر دسترس رکھتے ہیں کیا آپ نے مدرسے میں باقاعدگی سے دینی تعلیم حاصل کی ہے؟

صوفی صاحب: جی نہیں! مجھے کسی بھی اسلامی مدرسے میں دینی تعلیم حاصل کرنے کا موقع نہیں ملا۔ میری زندگی میں رسمی تعلیم میٹرک کلاس تک محدود ہے۔ اس کے بعد جو کچھ کیا اپنی محنت، کوشش اور لگن سے کیا۔ میرا تعلق موضع سرمیک سے ہے ناظرہ قرآن تایا غلام رسول سے پڑھا بعد میں سکول کے دوران شیخ غلام حیدر مہدی آبادی کے پاس چند دن دعوات صوفیہ کی تعلیم حاصل کی اور سکردو میں

ملازمت کے دوران کتاب العقائد کا درس لینے آغا سعید کے پاس زانوئے تلمذ تہہ کیا۔ اسی دوران مرحوم وزیر غلام مہدی ایم اے ایل ایل بی نے بتایا کہ وہ نوربخشیوں میں پلے ہیں ان کو معلوم تھا کہ لوگ کہتے تھے کہ فقہ احوط کا سمجھنا مشکل ہے مگر مولوی بشیر نے اس کا آسان سلیس ترجمہ کیا ہے۔ یہ تو بڑا قابل شخص لگتا ہے۔ اس کے بعد میں نے فقہ الاحوط اور کتاب الاعتقادیہ کو سمجھنے کی کوشش کی۔ البتہ غذر میں پوسٹنگ کے دوران قرآن پاک کا سرسری ترجمہ اور تفسیر حسینی کو پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش کی جس کے بارے میں سید محمد علی شاہ سبزواری (علی بک ڈپو گلگت) نے میری رہنمائی کی تھی۔ گلگت پوسٹنگ کے دوران شیخ عطار کی کتاب تذکرۃ الاولیاء بھی میرے ہاتھ لگی جس سے میں نے بہت کچھ سیکھا۔ واضح رہے شیخ فرید الدین عطار سلسلتہ الذہب سے متمسک رہے ہیں گو کہ وہ سید محمد نوربخش سے کافی پہلے کے بزرگ گزرے ہیں تاہم ان کی تصانیف سے اس بات کی تردید ہوتی ہے کہ نوربخشیہ اور ذہبیہ الگ الگ گروہ ہے۔

تصوف کی کتابوں کا مطالعہ میرا مشغلہ رہا ہے تاہم یہ دعویٰ نہیں کیا جا سکتا کہ اس پر مجھے کوئی عبور حاصل ہے۔ تعلیم کے دوران میں حسین آباد میں کچھ عرصہ رہائش پذیر رہا۔ جس گھر میں رہتا تھا اس کے سربراہ مرحوم حاجی غلام مہدی بہت اچھے عقیدے کا مسلمان تھا اس لیے میرے عقیدے میں کوئی تزلزل نہیں آسکا۔

نوائے صوفیہ: معروف عالم دین علامہ محمد بشیر صاحب نے جب فقہ الاحوط کا اردو میں ترجمہ کیا تو آپ نے اس کی مخالفت کی تھی۔ اس کی کیا خاص وجہ تھی؟

صوفی صاحب: میں شروع شروع میں سادات کرام کا بڑا حامی تھا یہاں تک کہ علامہ بشیر نے جب الفقہ الاحوط کا اردو ترجمہ کیا تو انہی سادات کے کہنے میں آکر مخالفت کرنے سے بھی گریز نہیں کیا مگر اسی دوران حاجی ابراہیم تھلوی نے حاجی محمد علی شبیری کو لاکر پورا دن مجھے سمجھا کر یہ یقین دہانی کرائی کہ علامہ بشیر مخلص عالم دین ہے اور ان پر شک و شبہ کرنا نادانی ہے اس کے بعد مخالفت سے گریز کیا۔ میری علامہ بشیر سے پہلی ملاقات منظور حسین ہمدانی کے بارے میں بلائے گئے علماء کی ایک کانفرنس میں ہوئی جس میں مرحوم سید عون علی وغیرہ کے ساتھ علامہ موصوف شریک تھے گفتگو کے دوران ان کی صلاحیت اور اخلاص کا پتہ چلا تب سے ان سے تعلقات کا سلسلہ شروع ہوا۔ ان دنوں علامہ صاحب علیل ہیں ہماری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں صحت کاملہ عطا فرمائیں۔

نوائے صوفیہ: آپ نے اپنی پیشہ ورانہ زندگی کے دوران مختلف محکموں میں اہم انتظامی عہدوں پر خدمات احسن طریقے سے انجام دی ہیں کیا آپ اس بارے میں بتانا پسند فرمائیں گے؟

صوفی صاحب: جی ہاں! ۲۴ اگست ۱۹۶۲ کو ایجنسی سرجن سکردو کے دفتر میں کلرک بھرتی ہوا۔ آفس سپرنٹنڈنٹ بننے کے بعد اپریل ۱۹۷۴ میں محکمہ تعلیم دیامر میں تبدیل ہوا۔ جہاں سے میری پروموشن بحیثیت سوشل ویلفیئر آفیسر گریڈ ۱۶ میں عمل میں آئی۔ مگر کچھ عرصہ کے بعد میرا تبادلہ اس دور کے ریذیڈنٹ کمشنر کے دفتر میں بحیثیت اسسٹنٹ

ڈائریکٹر کیا گیا جہاں سے ضلع غذر میں ایڈمن آفیسر ڈی سی آفس میں ہوا تھا کہ ضلع غذر آٹھ دس ماہ بعد ختم ہونے کی صورت میں منسٹری کشمیر افیرز کی منظوری سے میری ایڈجسمنٹ یکم جولائی ۱۹۷۸ میں بحیثیت تحصیلدار ہوئی مگر چند ماہ بعد سکردو میں ٹریژری آفیسر کی حیثیت سے پوسٹنگ ہوئی۔ اور آخر میں بحیثیت AO ہیلتھ ڈیپارٹمنٹ سے اپنی رضامندی سے قبل از وقت ریٹائرمنٹ لے کر کوئی پندرہ سال کا عرصہ گزرتا ہے۔

نوائے صوفیہ: مسلک صوفیہ نوربخشیہ کی تعمیر وترقی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے آپ کا کردار مثالی رہا ہے۔ دین وملت کے بارے میں کب سے سوچنا شروع کیا؟

صوفی صاحب: میں شروع ہی سے حساس طبیعت کا مالک ہوں۔ ۱۷ اپریل ۱۹۵۹ کو سکردو آنے کے بعد بحیثیت نوربخشی باقاعدگی سے جمعہ اور دینی اجتماعات میں شرکت کیا کرتا تھا۔ ۱۹۶۵ کی جنگ کے دوران سکردو مسجد کے منتظمین جو اکثر فوجی جوان ہوتے تھے سکردو سے پوسٹ آؤٹ ہوئے اور کچھ عرصہ مسجد کا نظام بدنظمی کا شکار رہا۔ آخر ایک روز سکردو میں رہائش پذیر پڑھے لکھے نوجوانوں نے مخول پا حاجی غلام محمد چھوربٹی کے گھر جمع ہو کر باقاعدہ نوربخشی انجمن کو فعال کرنے کا فیصلہ کیا اس سے پہلے ۱۵ مارچ ۱۹۶۰ کو راجہ فتح علی خان کی سرپرستی میں انجمن صوفیہ نوربخشیہ تشکیل پائی تھی۔ سال ۱۹۶۷ میں تنظیم نو ہوئی جس میں مجھے خزانچی کا فریضہ سونپا گیا مگر رجسٹر میں درج بیلنس میرے حوالے نہیں ہو سکا۔ جس سے یہ تاثر ملتا تھا کہ رقم خرد برد ہو چکی ہے۔ تاہم زیرو بیلنس سے تنظیمی امور کو چلانا شروع کیا اور کافی سوچ وبچار کے بعد یہ طے پایا کہ کسی بااثر شخص کو خزانچی بنوا کر فراغت حاصل کی جائے۔ لہذا حاجی محمود کے فوج سے ریٹائرمنٹ پر انہیں خزانچی بنایا گیا تاہم صدر انجمن حاجی موسیٰ بعد ازاں سید محمد کاظمی وغیرہ ہمیشہ انجمن کے امور چلانے میں مجھ سے مشورہ لیا کرتے تھے۔ ۱۹۷۴ میں چلاس تبادلہ ہونے کے بعد گلگت میں مقیم نوربخشیوں نے کونوداس میں اسماعیل صاحب براہ سابق کونسلر کے ذریعے ایک پلاٹ الاٹ کرایا جس پر مسافر خانہ اور مسجد تعمیر کرنے میں مجھے بھی کچھ کردار ادا کرنے کا موقع ملا۔ گلگت سے واپس بلتستان تبادلہ ہونے پر صدر انجمن سید محمد کاظمی نے مجھے کشوباغ کی مسجد اور حجرے تعمیر کرنے کے دوران اپنے ساتھ رکھا۔ سیٹلائٹ ٹاؤن میں رہائش پذیر لڑکوں نے شروع میں ابراہیم تھلوی کے کوارٹر میں نماز جماعت قائم کی ہوئی تھی۔ موجودہ مسجد شاہ ہمدان کی جگہ الاٹ کرنے کے بعد میرے مشورہ پر مسجد سے پہلے حجرے تعمیر کرنے کا فیصلہ ہوا کیونکہ طلبہ اور مزدوروں کے لیے رہائش کا سنگین مسئلہ درپیش تھا۔ اس جگہ مدرسہ شاہ ہمدان تعمیر کرنے کی تجویز پر جناب سول جج محمد علی صاحب کی سرپرستی میں چند افراد نے جب مجھ سے مشورہ کیا تو میں نے جج صاحب سے یہ تقاضا کیا تھا کہ وہ خود مہتمم بننے کے لیے آمادہ ہو جائے تو یہ سلسلہ چل سکے گا۔ کیونکہ انجمن کے زیر سرپرستی قائم کردہ دو مدارس پہلے ہی بند ہو چکے تھے۔ بہرحال اس مدرسے کے دستور عمل کی تیاری میں میرے مشوروں کا منتظمین نے احترام کیا اور اس وقت ایک

باقاعدہ نظام کے تحت خوش اسلوبی سے مدرسے کا نظام قائم ہے۔ میری دعا ہے کہ مدرسہ آگے بھی ہم سب کے لیے فلاح دارین کا ذریعہ بنے۔

نوائے صوفیہ: ڈسٹرکٹ سکردو بلتستان میں واقع سرمیک اہل تصوف کی آماجگاہ ہے اور ۹۵ فیصد آبادی صوفیہ نوربخشیہ کی تعلیمات پر کاربند ہے۔ تندی باد مخالف کے باوجود وادی سرمیک میں نوربخشی مکتب فکر کی بقاء کا راز کیا ہے؟

صوفی صاحب: وادی سرمیک کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ صاحب نظر ولی اللہ حضرت میر سید علی رضاؒ قدوۃ الاولیاء یہاں مدفون ہیں جو مسلک صوفیہ نوربخشیہ سے متمسک رہے ہیں۔ اس عظیم روحانی بزرگ کے فیضان نظر اور ذکر و فکر کی بدولت آج بھی یہاں کے لوگ شاہ سید محمد نوربخشؒ کی روحانی اور آفاقی تعلیمات کو سینے سے لگائے ہوئے ہیں۔

نوائے صوفیہ: صوفی صاحب! ایک دانشور کی حیثیت سے آپ مسلک حقہ کے ماضی اور حال کو کس نظر سے دیکھتے ہیں؟

صوفی صاحب: ماضی کے مقابلے میں نوربخشیوں کی حیثیت اس وقت زیادہ مستحکم اور فعال ہے۔ میری رائے میں پاکستان بننے کے بعد نوربخشیوں کو سنگین مسائل کا سامنا کرنا پڑا۔ کیونکہ معاشی، سیاسی اور سماجی لحاظ سے یہ طبقہ سنگین دباؤ کا شکار چلے آیا تھا۔ نوربخشی کتب جو قلمی تھیں نایاب ہوتی جارہی تھیں۔ درس و تدریس کا نظام دگرگوں ہو چکا تھا۔ میر مختار اخیار کے خاندان کا مذہبی اجارہ داری قائم رہا۔ میر سید علی رضا اور میر نجم الدین ثاقب کے بعد علمی میدان میں کمزوری رہی۔ سالکین بھی علم و عمل سے دوری اختیار کرتے رہے۔ جب ۱۹۷۳ کے بعد اس مسلک کی کتب کے ترجمے اور اشاعت کا سلسلہ چلا۔ ترقی یافتہ دنیا سے بذریعہ روڈ منسلک ہوئے اور بین الاقوامی سیمینارز میں اولیائے کرام کی سیرت اور تصانیف پر مباحثے چلے تو اب یہ امید کی جاسکتی ہے کہ دور رسول اللہ ﷺ کے احیاء کا مشن جو اس سلسلے کے بزرگوں کا منشور رہا ہے، انشاء اللہ بحال ہوگا اور ایک بار پھر پیروکاران اسلام احکام خداوندی کی تعظیم اور مخلوق خداوندی پر شفقت کی بجا آوری پر آمادہ ہوں گے۔

نوائے صوفیہ: مسلک صوفیہ نوربخشیہ کے معنوی وجود کو نقصان پہنچانے کے لیے مختلف زمانوں میں مختلف حربے استعمال کیے گئے آپ اس بارے میں کیا فرمائیں گے؟

صوفی صاحب: نہ صرف مسلک صوفیہ نوربخشیہ بلکہ پوری امت اسلامیہ کے ساتھ شروع سے ہی شیطان اور شیطان کے چیلے نقصان رسانی کے درپے چلے آتے ہیں مگر ایسی قوتوں کے مقابلے میں ایمان، اخلاق اور یک جہتی سے دفاع کرنے کی ضرورت ہے۔ بقول شخصے

ستیزہ کار رہا ہے ازل سے تا امروز
چراغ مصطفویؐ سے شرار بولہبی

نوائے صوفیہ: نوربخشیہ مسلک کے پیروکاران کے مابین موجودہ بحرانی صورتحال سے نمٹنے کے لیے آپ کیا مشورہ دینا چاہتے ہیں؟

صوفی صاحب: نوربخشیوں کو نیک نیتی سے قرآن و سنت نبوی ﷺ پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے جس کی

تشریح سلسلہ ذہب کے پیرانِ طریقت نے اپنے کتب و رسائل میں کی ہوئی ہے۔ کسی کو بھی جسے نوربخشی ہونے کا دعویٰ ہے ان تعلیمات سے فرار کی صورت کم از کم اس وقت کی ترقی یافتہ دور میں نہیں رہی ہے۔ نوربخشی کتب اولاً یہاں کی قدیم خانقاہوں اور مساجد سے دریدہ حالت میں بازیاب ہوئی ہیں اور ثانیاً موجودہ ترقی یافتہ دور میں عرب و عجم کے علاوہ مغربی ممالک کے لائبریریوں میں بھی دستیاب ہیں جن کو قومی زبان میں ترجمہ کر کے پھیلا دیں گے تو سازشی عناصر ناکام ہو جائیں گے اور قرون اولیٰ کے صوفیاء کا دور بحال ہو گا۔

نوائے صوفیہ: مسلک صوفیہ نوربخشیہ کی تعمیر و ترقی کے لیے کن اقدامات کی ضرورت ہیں؟

صوفی صاحب: مسلک صوفیہ نوربخشیہ کے پیروکار حکم خدا و رسولؐ کی تعمیل کرتے ہوئے خود بھلائی کو پہچانیں اور عمل کریں اور دوسروں کو بھی عمل کرنے کے لیے پرچار کریں اس طرح برائی کو پہچاننے اور اس سے باز رہنے کی کوشش کریں اور دوسروں کو بھی باز رہنے کی تلقین کریں۔ موجودہ دور میں تبلیغ دین کے لیے پرنٹ اور الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے بہتر طور پر استفادہ کیا جا سکتا ہے۔ آپ نشر و اشاعت کے سلسلے کو ترجیح دینا ہرگز نہ بھولیں۔

نوائے صوفیہ: مسلک کے نوجوانوں کو آپ کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

صوفی صاحب: نوجوان اپنی معلومات دین اور دنیا کے معاملے میں اپ ڈیٹ کریں اور نیک نیتی خلوص اور صبر و استقامت کے ساتھ دینی تعلیمات پر عمل پیرا ہو جائیں۔ مخلوق خدا، انسانوں اور مسلمان مومن بھائی بہنوں سے محبت سے پیش آیا کریں۔ زیور تعلیم سے اپنے آپ کو آراستہ کریں۔ مادیت پرستی کی رنگینیوں میں کھو جانے کی بجائے روحانی اقدار کو سینے سے لگائیں۔ زندگی میں پیش آنے والے چیلنجز سے نمٹنے کے لیے ہمہ وقت اپنے آپ کو تیار رکھیں۔

نوائے صوفیہ: احیائے تصوف کا علمبردار نوائے صوفیہ کو کیا پیغام دینا چاہتے ہیں؟

صوفی صاحب: نوائے صوفیہ کا ہر ہر صفحہ قیمتی ہے اس میں زیادہ سے زیادہ علم و ادب کی باتوں کو جگہ دیا کریں غیر ضروری طور پر اس کے صفحات کو سیاہ کرنے سے اجتناب کریں تو بہتر ہے۔ بلاشبہ نوائے صوفیہ نے مسلک صوفیہ نوربخشیہ کی تعلیمات کو اجاگر کرنے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

نوائے صوفیہ: صوفی صاحب آپ نے نوائے صوفیہ کے قارئین کے لیے وقت نکالا آپ کا بہت بہت شکریہ۔

صوفی صاحب: آپ سب کا بھی میں بہت مشکور ہوں۔



بقیہ: آسمان ہدایت کا چمکتا ستارہ

مجھے وہ کیوں اس قدر چاہتے تھے۔ اس مضمون کو ان کے شایان شان نہ جوڑ پانے کی وجہ بھی وہ بار گراں ہے جو دل ناتواں پر بوجھ بن کر چھایا ہوا ہے۔ ان کی حوصلہ افزائی اور محبت کا نہ صرف مقروض ہوں بلکہ اپنی تمام تر کاوشوں کا اب تک کا سب سے انمول و قابل قدر ماحاصل سمجھتا ہوں۔

محسنین نوربخشیہ صوفی غلام محمدؒ

غلام حسن حسنو

یہ مضمون نوائے صوفیہ شمارہ نمبر ۹۰ جون ۲۰۰۶ کو چھپ چکا ہے۔ قارین کی دلچسپی اور شمارے کی مناسبت سے نشر مکرر کے طور پر دوبارہ شامل کر رہے ہیں یہ مضمون صوفی صاحب کی زندگی میں شائع ہوا تھا۔

جناب صوفی غلام محمد مرحوم موضع سرمیک میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم سرمیک میں ہی حاصل کی۔ پھر مزید تعلیم کے لیے سکر جا کر ہائی سکول میں داخلہ لے لیا، خوش قسمتی سے ان دنوں وہیں منشی نور علی بلغاری (ریٹائرڈ چیف آفیسر) بابو ذاکر احمد کریس (موجودہ ایڈمن آفیسر ڈی سی آفس سکردو) اور منشی رستم علی مچلو (رٹیائرڈ پراجیکٹ منیجر) نے بھی وہیں داخلہ لیا اس طرح انہیں نہ صرف بہترین طریقے سے تعلیم حاصل کرنے کا موقع ملا بلکہ ایک دوسرے کی صحبت اور اجنبی علاقے میں ایک ہی مسلک کے پیروکار ہونے کی بناء پر مذہبی ہمدردی، دینی درد اور باہمی یکجہتی کو بھی فروغ حاصل ہوا۔

آپ تعلیم کے بعد سرکاری ملازم ہوئے اور مختلف عہدوں پر کام کرتے رہے کچھ عرصہ تحصیلدار رہے اور پھر ملازمت سے سبکدوشی تک محکمہ صحت کے ایڈمنسٹریٹو آفیسر رہے اور اسی عہدے سے ریٹائرمنٹ لیا آپ دوبارہ حج بیت اللہ سے مشرف ہو چکے ہیں اس وقت آپ مستقل طور پر سکردو میں فراغت کی زندگی گزار رہے ہیں۔ ان کے بڑے صاحبزادے ڈاکٹر نیاز علی صاحب ماہر امراض چشم ہیں۔ اور باقی تینوں بیٹے میڈیکل اینڈ جنرل سٹورز کے نام سے وسیع پیمانے پر کاروبار کرتے ہیں۔ آپ نے دوران سروس ان نوربخشیوں اور دوسرے نادار مستحقین کی زبردست دستگیری کی جو محض اثرورسوخ کے فقدان اور آفیسران بالا تک رسائی نہ ہونے کی وجہ سے ملازمت یا اپنا جائز حق حاصل کرنے میں ناکام رہتے تھے چنانچہ آج محکمہ صحت اور دوسرے محکموں میں سینکڑوں لوگ آپ کی اسی غریب پروری کے گواہ ہیں۔ آپ نے بلا کی ذہانت پائی ہے۔ سرکاری دفاتر کے سرخ فیتہ کے شکار لوگ آپ کے پاس اکر مشورے لیتے ہیں آپ انہیں مفت قانونی امداد بہم پہنچاتے ہیں اور مختلف نوعیت کی درخواستیں لکھ کر دیتے تھے۔ آپ سکردو انجمن صوفیہ نوربخشیہ کے تقریباً بانیوں میں سے ہیں اور موجودہ جامع مسجد کرسمہ تھنگ کے قدیم وجدید عمارتوں کے عینی شاہد ہیں بلکہ دوسرے اور تیسرے دور تعمیر کے بانیوں میں سے ہیں۔ آپ کا کہنا ہے کہ پہلی عمارت منشی علی مرحوم کا تعمیر کردہ تھا جس کی دیواریں کچی تھیں۔ اسی طرح اس کی چھت بھی تختوں کی بجائے کرپ سے بنایا گیا تھا۔ خطبہ دینے کے لیے منبر موجود نہیں تھا بلکہ منبر کی جگہ مسجد کی سطح سے

ایک فٹ نیچے ایک گڑا تھا خطیب اس میں کھڑے ہو کر خطبہ دیتا تھا۔ مارچ ۱۹۶۰ء میں راجہ فتح علی خان کی صدارت میں انجمن کی بنیاد پڑی اور راجہ صاحب نے سب سے پہلے ۱۰۰ روپے (اس وقت ایک لاکھ سے زائد رقم بنتی ہے) دے کر مسجد کو از سر نو تعمیر کرنے کا فیصلہ ہوا۔ راجہ صاحب کے اس فراخدلانہ عطیہ کے بعد چندہ جمع کیا جاتا رہا اور تعمیر ہوتی رہی۔ وہ عمارت مستری غلام محمد کوروی کی سربراہی میں مکمل ہوئی تھی۔ جامع مسجد سکردو کی موجودہ عمارت کی تعمیر، کشوباغ سنٹر کے قیام و تعمیر، مدرسہ شاہ ہمدان کے قیام و تعمیر، جامع مسجد نوربخشیہ گلگت کی تعمیر اور خانقاہ سرمیک کی از سر نو تعمیر میں آپ نے کلیدی کردار ادا کیا ہے۔

صوفی صاحب سکردو انجمن کے مختلف عہدوں پر فائز رہے اس وقت انجمن کا کوئی عہدیدار نہیں لیکن آپ نہ صرف سکردو بلکہ تمام نوربخشی انجمنوں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ اسی طرح مدرسہ شاہ ہمدان اور دوسرے اداروں کی سرپرستی کرتے ہیں۔ آپ مسلک نوربخشیہ کا ایک ایسا رہنما ہے جو ہر فورم پر مسلک کی نمائندگی کرتے ہیں ۱۹۸۷ء میں بین الاقوامی شاہ ہمدان کانفرنس مظفر آباد اور ۱۹۹۲ء میں بھوربن مری، ایبٹ آباد اور اسلام آباد میں نوربخشیوں کی نمائندگی کر چکے ہیں انہی کی کوشش کے نتیجے میں نوربخشیہ مسلک کا بین الاقوامی سطح پر تعارف ہوا ہے۔ آپ شروع سے ہی مسلک کی اتحاد اور یکجہتی اور یگانگت کے لیے کوشاں ہیں۔ ۱۹۸۲ء میں کریس کے معاہدے، ۱۹۹۳ء میں خپلو کے معاہدے اور ۱۹۹۹ء میں بلغار کے معاہدے میں آپ نے مرکزی کردار ادا کیا۔ آپ راسخ العقیدہ نوربخشی ہیں بدعتوں کے سخت مخالف اور سنت نبوی اور بزرگان سلف کے طرز عمل کے بہت بڑے حامی ہیں۔ آپ کا مطالعہ بہت وسیع ہے آپ علامہ محمد بشیر صاحب اور ندوۃ اسلامیہ نوربخشیہ سے بہت زیادہ متاثر ہیں اور ان کے قومی خدمات کے معترف بھی ہیں راقم سے خصوصی تعلق ہیں اس لیے مجھے جب بھی سکردو جانے کا موقع ملتا ہے ان کے دولت کدے پر جا کر ان کی سمع خراشی کرتا رہتا ہوں۔ آپ مسلک نوربخشیہ سے غیر معمولی لگائو رکھتے ہیں آپ کی صحبت کا اثر ہے کہ سکردو اور سرمیک کے پڑھے لکھے نوجوان مسلک نوربخشیہ سے غیر معمولی لگائو رکھتے ہیں اور بدعتوں سے دور رہنے والے ہیں۔ موجودہ بحرانی حالت پر آپ کافی پریشان ہیں اور اسے مذہبی قیادت کی نااہلی سمجھتے ہیں۔ آپ علمائے نوربخشیہ کے سخت شاکی ہیں کہ وہ بزرگوں کی تصانیف کو اردو میں منظر عام پر لانے میں ناکام رہے اور اس وقت بھی کوئی قابل ذکر اشاعتی کام نہیں ہو رہا ہے۔ آپ موجودہ بحران کے ختم ہونے کا یہ نسخہ بتاتے ہیں کہ ہمارے ہاں اختلاف نہایت معمولی ہیں جنہیں کچھ ان پڑھ لوگ ایشو بنا کر بات کا بتنگڑھ بنا دیتے ہیں اگر بزرگان نوربخشیہ کی آثار کا ترجمہ کر کے شائع کیے جائیں تو پڑھے لکھے لوگ انہی کے مطالب پر عمل کریں گے جس کے نتیجے میں اختلافات خود بخود ختم ہو جائیں گے۔ اتفاق و اتحاد نوربخشیہ کے لیے آپ ہمیشہ کمربستہ رہتے ہیں اگرچہ گزشتہ عشروں میں اختلافات ختم کرنے کی کوششیں کامیابی سے ہمکنار نہیں ہو سکیں اس کا انہیں قلق ہے۔ پھر بھی وہ ان کی ناکامی میں

سب کو شریک سمجھتے ہیں ۔ اور وہ پر اُمید ہیں کہ مستقبل قریب میں یہ سب ٹھیک ہو جائیں گے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ ہمارے پڑھے لکھے جو اس وقت اپنے جدید و قدیم علوم میں زبردست رسوخ کی بناء پر اہم عہدوں فائز ہیں اپنی ذمہ داریوں کا احساس نہیں کیا ان سے باشعور نوربخشیوں نے جو توقعات وابستہ کی تھیں انہیں مایوسی کے سوا کچھ نہیں دیا انہیں چاہیے کہ اپنے قدیم و جدید علم سے کام لیتے ہوئے بزرگان نوربخشیہ کے کتب ورسائل کا ترجمہ کرتے اور انہیں منظر عام پر لاتے لیکن وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے۔ اب بھی وقت ہے کہ وہ اس کا احساس کرتے ہوئے اس طرح توجہ دیں ورنہ وہ قیامت کے دن گرفت سے نہیں بچ سکیں گے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ امر بالمعروف (نیکی کی تلقین) اور نہی عن المنکر (برائی سے ممانعت) وقت کا سب سے بڑا تقاضا ہے ماضی میں ہمارے علماء نے اس طرف کافی توجہ دی ہیں جس کے نتیجے میں ہمارا معاشرہ اسلامی روحانی اقدار پر قائم ہیں لیکن اب جدید ذرائع ابلاغ کی یلغار سے اسے شدید خطرہ لاحق ہے اس لیے علمائے نوربخشیہ کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی طرف منظم طور پر پیش قدمی کرنے کی ضرورت ہے تاکہ وہ دوسرے معاشروں کی مانند بکھر نہ جائیں اس مقصد کے لیے ہر بہتر طریقہ اپنانے کی ضرورت ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ ہمارے لوگوں نے اثر و رسوخ کی غیر موجودگی اور ہمارے ملکی سسٹم کی ساری خرابیوں کے باوجود بڑی پیش رفت کی ہے۔ تعلیم ، کاروبار اور مختلف ذرائع آمدن کے ذریعے خوشحالی کی طرف بڑی تیزی سے آگے بڑھ گئے ہیں صرف مذہبی قیادت اور علماء وقت کی ضرورت سے آنکھیں بند کر رکھے ہیں اس لیے علماء کو اپنی تمام توجہ تصنیف و تالیف اور تبلیغ وارشاد کی جانب دینی چاہیے۔



بقیہ آہ مرد خود آگاہ صوفی غلام محمدؒ

تحریک انصاف بلتستان کے رہنما غلام حیدر بلتت، محمد یعقوب اور محمد اقبال شامل ہیں۔ ان کے علاوہ ان کے ہزاروں لاکھوں چاہنے والے بھی سوگوار ہیں اور یہی سوچ رہے ہیں کہ صوفی غلام محمد جیسے زیرک و ذہین و فطین اور مخلص و ملنسار لوگ روز روز پیدا نہیں ہوتے ایسے لوگوں کے لیے

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتے ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

5 دسمبر 2020 کو جب صوفی صاحب کا جسد خاکی سکردو پہنچا تو ان کے قریبی سوگوار جسد خاکی کے استقبال کے لیے ریڈیو پاکستان چوک تک گئے وہاں سے جسد خاکی کو آہوں اور سسکیوں میں نوربخشی مرکز مدرسہ شاہ ہمدان سیٹلائٹ ٹاؤن سکردو لایا گیا جہاں بلتستان کے چاروں اضلاع سے عقیدت مند پہنچ گئے اور مغفرت کے لیے دعاؤں کا سلسلہ شروع ہوا۔ صوفی صاحب کی نماز جنازہ میر واعظ سرمیک حضرت بوا سید محمد الموسوی نے حبیب کالج کے گرونڈ میں پڑھائی جبکہ نماز جنازہ میں ہزاروں سوگوار عقیدت مندوں سمیت حکومت گلگت بلتستان کے وزیر تعمیرات وزیر سلیم ، وزیر بلدیات حاجی حمید، وزیر زراعت محمد کاظم میثم، سابق سپیکر قانون ساز اسمبلی حاجی فدا محمد ناشاد، سابق سینیر وزیر حاجی

اکبر تابان جی بی اسمبلی کے ممبران، تمام مکاتب فکر کے علمائے کرام، مشائخ عظام اور عوام الناس کی ایک بڑی تعداد موجود تھی۔ اس موقع پر علما سپریم کونسل کے ممبر مولانا محسن علی ساقی نے اپنے خطاب میں کہا کہ صوفی غلام محمد کا سایہ آج ہمارے سر سے اٹھ گیا ہے مگر ان کی جدوجہد کے تسلسل کو برقرار رکھنا اب ہمارا فرض ہے۔ وہ ایک بے داغ اور باکردار انسان تھے جس کی ساری زندگی دین حقہ کی ترویج و ترقی میں گزر گئی اب ہمیں ان کے دکھائے ہوئے اصولوں پر چلنے کی ضرورت ہے۔ ان کے خطاب کے بعد یہ مرد جری بے باک و بہادر سپاہی آہوں اور سسکیوں میں سپرد خاک ہوئے۔ اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

آسمان ان کی لحد پر شبنم افشانی کرے۔ خدا صوفی صاحب کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا ہو۔

بجاہ نبیك الرحمة محمد واله الطیبین۔ (آمین)



بقیہ: روداد تعزیتی کانفرنس صوفی غلام محمدؒ

دانش صاحب کے حکم کے مطابق مجھے ان کا لکھا مقالہ پیش کرنا تھا جو ان کی غیر موجودگی میں میرے پاس ان کی امانت تھی جب ان کی تحریر پڑھتا گیا تو لوگ روتے رہے۔ مجھے وہاں موجود لوگوں کے بہتے آنسو دیکھ کر اندازہ ہو گیا کہ دانش صاحب کی تحریر کو بے حد پسند کیا گیا۔ محفل میں لوگوں کا جم غفیر تھا اور سب نمناک آنکھوں کے ساتھ مرحوم کے فرزندگان کو پرسہ دے رہے تھے جو وہاں موجود تھے۔ محفل میں موجود ہر فرد کی اچھی یادیں مرحوم سے جڑی تھیں اور ہر کسی کی خواہش تھی کہ ان کے حوالے سے کچھ نہ کچھ بولیں مگر چونکہ انجمن نے پہلے ہی کچھ لوگوں کو اپنا مقالہ اور اظہار خیال لکھنے کا کہا ہوا تھا لہٰذا ایسا ممکن نہ تھا۔ اس تعزیتی ریفرنس میں جہاں سب لوگ درد و غم کی کیفیت میں لوگوں کے خطبات سن رہے تھے ایسے میں جب مہمان خصوصی کی باری آئی جو کہ مرحوم کے فرزند مایہ ناز ڈاکٹر نیاز علی صاحب تھے لڑکھڑاتے لڑکھڑاتے سٹیج تک پہنچے تو عجیب سا ماحول بن گیا لوگ فرط جذبات پر قابو نہ رکھ پائے اور جب انہوں نے لب کشائی کی کوشش کی تو لب سے پہلے ان کی آنکھیں چھلک پڑیں اور انسوؤں کی لڑیاں ان کے رخسار سے جاری ہوئیں۔ میرا دل بھی غم میں ڈوب گیا اور دل چاہا کہ اٹھ کر ڈاکٹر نیاز سے لپٹ کر خود بھی جی بھر کے رو لوں منظر بڑا پر درد تھا۔۔۔ڈاکٹر نیاز صاحب نے خود کو پھر سنبھالا اور تمام شرکا کا شکریہ ادا کیا اور کہا کہ مجھے نہیں لگتا تھا کہ میں یہ غم سہہ سکوں گا مگر آپ لوگوں نے میرا غم بانٹ

دیا مجھے حوصلہ دیا اور اس گھڑی مجھے تنہا ہونے نہیں دیا اور تاکید کی کہ جو رشتہ آپ سب کا میرے مرحوم والد صاحب کے ساتھ تھا میرے ساتھ بھی قائم رکھیں۔ تمام شرکاء نے مرحوم کے مشن کو آگے لے کر چلنے کا عزم کیا اور ڈاکٹر نیاز صاحب کے شانہ بشانہ چلنے کا عہد وپیمان کیا۔اس طرح یہ تعزیتی ریفرنس اپنے انجام کو پہنچا اور آخر میں سید محمد شاہ سرمیکی نے مرحوم کے بلندی درجات کے لیے دعا اور فاتحہ خوانی کی اور محفل اختتام پذیر ہوئی۔



بقیہ: الحاج صوفی غلام محمدؒ کی دینی اور فلاحی خدمات

بڑھنے کا واحد راستہ تعلیم ہے۔ جسے حاصل کیے بغیر منزل پانا ممکن نہیں۔ انہوں نے ۱۹۸۲ میں لڑکوں کو کشو باغ کے مقام پر کوچنگ سنٹر کھولا اور فی سبیل اللہ پڑھانا شروع کیا۔

یہاں ایک دلچسپ واقعہ کو بھی بیان کرنا چاہتی ہوں۔ جب علامہ اقبال یورپ کے دورے پر گئے تھے۔ ایک روز شام کے وقت ایک پارک میں بچوں کو کھیلتے دیکھا۔ اچانک ان کی نگاہ ایک کونے میں بیٹھے ایک بچے پر پڑی جو پڑھ رہا تھا۔ انہیں حیرت ہوئی کہ ایک بچہ اس ماحول میں پڑھ بھی سکتا ہے۔ وہ اٹھ کر اس بچے کے پاس گئے اور اس سے بولے کیا آپ کو کھیلنا پسند نہیں؟ بچے کے جواب نے انہیں حیران کر دیا۔ اس نے کہا کہ ہم دنیا میں مٹھی بھر ہیں۔ اگر میں کھیلنے میں وقت ضائع کروں تو میری قوم مٹ جائے گی۔ مجھے اپنی قوم کو بچانا ہے۔ علامہ اقبال حیران ہو کر پوچھتے ہیں آپ کس قوم سے ہو؟ کہتا ہے میں یہودی ہوں۔ یہ سن کر آپ بہت متاثر ہوئے اور آنکھوں سے بے ساختہ آنسو بہنے لگے۔ کہتے ہیں ہائے میری قوم میں تم میں شاہین ڈھونڈ رہا ہوں لیکن عقاب تو یہودی گھروں میں پل رہے ہیں۔

صوفی صاحب نے نوجوان نسل کو تعلیم کا شعور دیا اور آپ نے سرکاری ملازمت کے دوران سپرنٹنڈنٹ محکمہ صحت و تعلیم، سوشل ویلفیر آفیسر، تحصیلدار، خزانہ آفیسر، و ایڈمن آفیسر رہے اور آخر میں محکمہ صحت میں ایڈمنسٹریٹو آفیسر کے عہدے سے سبکدوش ہوئے۔ اللہ سے دعا ہے اللہ پاک انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے۔ آمین

My Ideal Personality

By Arosa Hajira
Daughter of M.Yaqoob

My Late grandfather Al-Haj Sufi Ghulam Muhammad was the only son of his parents. My grandfather has always been a great inspiration for me. My Grandfather was a very loving man, he loved his family more than anything he had known. He was the role model for our whole family. He devout his whole life to serve humanity. He led a simple life. He was very humble and kind-hearted. He always helps and took care of the poor and needy. He was the teacher and guidance of his grandsons and granddaughters and teach the Holy Quran for all and always advise us to offer prayer at time and recite Holy Quran daily. He was always wor-ried about the grandchildren. When I was in class 5th all the children of the neighbourhood used to come to you to study. He teaches us to be Honest. He was an expert in English Ara-bic and Persian. He always helps and guides us in our studies. He always appreciates every-one who gets good grades. He was very hospitable. He was very glad when the guest comes to greet him. He always said that "Mehman Apna rizaq khud la k atay hain. Wo Allah Ki Rehmat Hoti Hain'. He always preferred to serve a good meal to the guest. He was a true Muslim he offers his prayers regularly during his lifetime he offers three times Hajj. He recites the Holy Quran with translation daily. He always motivates us by saying this quotation that early to bed and the early to rise. Makes the man healthy wealthy and wise. He said that if you want to achieve success in your life first offer prayers regularly and rise early in the morning. Within a year he completed the Holy Quran five to six times. He has always fol-lowed the teaching of the Holy Quran and Sunnah. He was a very simple person if someone brought him new clothes, he would distribute them among the poor. He was very patient. Even in the last days of his life, he worked very patiently. I am very close to my grandfather when he came to Islamabad to spend winters. I am with him he likes the

Continued on page 61

A Tribute to Sufi Ghulam Muhammad

By Sajjad Balghari

A Tribute to Marhoom Al-haj Sufi Ghulam Muhammad Sahib. Al-Haj Sufi Ghulam Muhammad Sahib has recently left this temporal world and all of us for ever. Inna Lillah wa inna elahey rajiwoon. Sufi sahib was a great practicing Sufi, a born researcher, a competent feature-writer, a motivation speaker and an institution in himself. He was an ever-dynamic and a moving institution. He was not an ordinary Sufi rather was a born research scholar too. God has gifted him with a curious and intelligent mind, a great literary taste and above all a great zeal and enthusiasm for research in Sufi literature. He was a devoted Sufi whose personal library was full of books including many rare manuscripts. He was a fearless religious leader of Sufia Noorbakhshia who devoted his life for the cause of Islam. He participated in many international Sufi conferences including Shah Hadaladan International Conferences and seminars. As a great motivator he motivated rather nurtured many on the path of Islamic research particularly on history of Gilgit Baltistan and Sufi literature. As a charismatic leader he guided the people and infused literary taste in many people especially college students were always warmly welcomed by him. Sufi Sahib motivated many young ones to embark upon the field of research and Higher studies. Sufi Sb, Dr. Ghazi Naeem Sahib and my elder brother Subedar Retd. Al Haj Muhammad Ibrahim Balghari Sahib always encouraged me too towards research works including my research articles on life and thoughts of Mir Syed Muhammad Nurbakshsh Qahistani A. R. when I was a University student. Sufi Ghulam Muhammad Sahib was a towering personality and a man of knowledge rather a university in himself. He used to infuse great literary urge in college students. He even used to suggest topics for research works to students and guided them. He used to warnly welcome students at his house and aways encouraged them for higher studies. His love and absorbing

attitudes towards college students was matchless. As a philonthropist he helped many orphans in Baltistan to get higher studies. He also motivated his sons especially the elder son Dr. Niaz Ali Sahib, MS, DHQ Hospital Skardu to care for the deserving students and financially helped many poor and orphans. Sufi Sahib was also an excellent feature-writer on lives and thoughts of great Sufis particularly Shah e Hamadan Mir Syed Ali Hamadani A. R. and Mir Syed Muhammad Nurbakshsh Qahistani A. R. and had contributed many feature write ups for Radio Pakistan (Skardu Station). His ability, sincerity and devotion to Balti community especially to Sufia Noorbakhshia was unique and matchless. On the eve of his demise from this temporal world, we are deeply saddened that we have lost a great cherismatic Sufi leader. I would like to offer my deep condolence to the bereaved family especially to his elder son Respected Dr. Niaz Ali Sahib, Medical Superintendant DHQ Hospital Skardu, Mr. Yaqub Baltit, Mr. Ghulam Haider Baltit, Mr. Muhammad Iqbal Balti, Mr. Ayaz Naik and the whole family and relatives on the great loss. May Allah Subhanaho Tala Bless the departed soul the highest place in Jannah AL Firdous and grant patience to the bereaved family to bear the great loss.



My Ideal Personality

Continued from page 59

Dishes that I made for him. He said to me that write an Islamic article in nawaye Sufiya but due to the burden of studies, unfortunately, I could not write any Islamic article Insha'Allah in the future I will try my level best to fulfill his dreams. He loves me like his own child and always prays for me that may Allah give me success in every field of life. The most important thing that I have learned from him is whatever the situation will be do not lose hope and always work hard and try your level best to achieve your goals and always have a firm belief on Allah. I am proud of my grandfather. We will always miss you in every moment of life. May Allah grant us the strength to accept your big loss and help us to follow the path that you have given to us, Ameen.

